Krishen Number.

Azadi Number.

OM

August, 1961

As -9-



ایڈیٹر:- گورکھ ناتھ نندہ

رسالہ اوم دہلی

آزادی نمبر و کرشن نمبر

چندہ سالانہ سات روپے ۷/-

قیمت فی پرچہ 56 نئے پیسے

ممالک غیر سے ۹/- نو روپے

فہرست مضامین اگست ۱۹۶۱ء

باہتمام شری گورکھ ناتھ نندہ ایڈیٹر و پروپرائٹر و شری ہربھا نند بی۔اے پرنٹر و پبلشر کھنہ بھیتو پریس چاوڑی بازار دھلی میں چھپا اور دفتر رسالہ "اوم" اندرون اجمیری گیٹ دہلی۔ ۶ سے شائع ہوا۔

کرشن نمبر

ضروری اعلان:- یہ پرچہ آزادی نمبر اور کرشن نمبر بابت ماہ اگست اور ستمبر سنہ ۱۹۶۱ء مشترکہ پرچہ ہے۔ ماہ ستمبر میں کوئی علیحدہ پرچہ شائع نہیں ہوگا۔ ماہ اکتوبر کا پرچہ دسہرہ نمبر ہوگا۔ جو یکم اکتوبر سنہ ۱۹۶۱ء کو شائع ہوگا۔ "مینیجر"

سولہ کلاں اوتار کا

امیر الشعرا دیوان پنڈت ایس جی قمر

دھیان ہے دل میں قمر سولہ کلاں اوتار کا
ہے یہ چرچا گھر بہ گھر سولہ کلاں اوتار کا

اُس کی رحمت کی نگاہیں ہے علاجِ دردِ دل
ایک جلوہ چشمِ تر سولہ کلاں اوتار کا

دل کی رگ رگ سے صدا آتی ہے رادھا کرشن کی
جسم و جاں میں ہے اثر سولہ کلاں اوتار کا

مشعلِ راہِ حقیقت کیا ہی پیارا نام ہے
شیام سُندر شیام بر سولہ کلاں اوتار کا

آج تک دیوانگی میں مست اور سرشار ہے
برندابن کا ہر بشر سولہ کلاں اوتار کا

چُومتا ہُوں ذرہ ذرہ برندابن کی خاک کا
اس زمیں پر تھا گزر سولہ کلاں اوتار کا

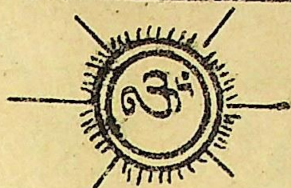
اس لئے جپتا ہُوں رادھے شیام کالی رات کو
نام ہے نورِ سحر سولہ کلاں اوتار کا

اس جگہ دُنیا چلی آتی ہے سجدوں کے لئے
فیضِ حق گوکل ہے گھر سولہ کلاں اوتار کا

ہم سفر سمجھا سفر والوں نے رادھا کرشن کو
بے گھروں کا زورِ زر سولہ کلاں اوتار کا

آسرا رکھتا ہے ہر دم ہر گھڑی ہر حال میں
بے نوا بے بال و بے پر سولہ کلاں اوتار کا

نورِ حق ساکار کی صورت پربھو پرماتما
اے قمر ہے جلوہ گر سولہ کلاں اوتار کا



ودیانت کے بلند ترین خیالات کا حامل

رسالہ "اوم" دہلی

دھرم بھاونا اور پورانک گرنتھ

پورانک گرنتھ بڑے رہسیہ پورن ہیں۔ اُن کو سمجھنے کیلئے ستوگنی نرمل بُدھی اور شردھا کا ہونا اتی اوشیک ہے۔ مغربی تعلیم کے کارن ہم اپنے دھرم گرنتھوں سے نفرت کرنے لگے ہیں اور ہم اُن کو پڑھنا تو درکنار دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ ہمیں مغربی تعلیم اور مغربی تہذیب نے شردھاہین کر کے نعمتِ غیر مترقبہ (انمول وستو) سے محروم کر دیا ہے۔ جو کہ ہماری بدقسمتی کا سبب ہے۔ پورانک گرنتھوں میں ایسے ایسے انمول ہیرے ہیں جو کسی اور استھان سے ملنے نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہیں۔ ہمارے پراچین رشیوں نے منش کے سوبھاو (پرکرتی) کو اچھی طرح انبھو کیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہر ایک منش کی علیحدہ علیحدہ پرکرتی ہے۔ کوئی منش ستوگنی ہے کوئی رجوگنی اور کوئی تموگنی اور ان سب کے لئے الگ الگ اُپدیش ہی لابھدائک ہو سکتا ہے۔ دوسرے مذاہب کی طرح انہوں نے سب کو ایک ہی ڈنڈے سے ہانکنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ بلکہ بھیانک، روچک اور یتھارتھ واکوں سے ہر ایک کی پرکرتی کے مطابق اُپدیش کیا۔ ستوگنی پرکرتی والے منشوں کو نشکام بھگتی دوارا ست وستو آتما کا گیان اُپدیش کیا۔ رجوگنی پرشوں کو جن کے اندر سنسارک واسنائیں موجود ہوتی ہیں اُن کو روچک اُپدیش کیا کہ سکام کرم کرنے سے سورگ آدک لوکوں کی پراپتی ہوتی ہے۔ فلاں فلاں دیوتا کی اس طرح اُپاسنا کرنے سے اس قسم کا پھل ملتا ہے مثلاً ہنومان جی کی ارادھنا سے منش کے اندر شاریرک بل آتا ہے۔ لکشمی کی پوجا سے دھن پدارتھ ملتا ہے سرسوتی کی پوجا سے ودیا ملتی ہے۔ اور واک اندریہ میں شکتی آتی ہے۔ بھگوان شِو کی پوجا سے دھرم ارتھ، کام اور موکھش یعنی چاروں پدارتھ ملتے ہیں۔ بھگوان کرشن کا دھیان کرنے سے بُدھی۔ تیج اور بل آتا ہے۔ گویا جس طرح کی کامنا ہو اُسی پرکرتی والے دیوتا کی ارادھنا کرنی چاہیئے۔ جس کی ودھی پورانوں میں درج ہے۔ تموگنی پرشوں کیلئے بھیانک واک لکھے گئے ہیں۔ کیونکہ جن پرشوں کا ہردیہ ملین ہے اور جن کی پرورتی شاستر ورودھ پاپ کرموں میں ہی ہے۔ جو ماس اور مدرا (شراب) کے عادی ہو چکے ہیں۔ اُن کو کالکا اور بھیرو جیسے کرودھ

دیوتاؤں کی اُپاسنا کرنے کی وِدھی بتائی گئی ہے۔ تاکہ اُن کا بھی کبھی نہ کبھی اُدّھار ہو جاوے۔ ایسے پاپ آتما پُرش جب کسی کو کشٹ دینے کے لیئے یا اپنی نِشٹ دھ منو کامناؤں کو پُورن کرنے کے لیئے کالکا اور بھیرو جیسے بھیانک دیوتاؤں کا دھیان کرتے ہیں اور سِدھی پراپت کرنے کیلیئے اپنے من اور اندریوں کو وش میں کر کے شاستر ودھی انوسار پُوجا اور پرارتھنا کرتے ہیں۔ تب سرو شکیتمان پربھو کی الوکک شکتی اُن دیوتاؤں کے ذریعے اُن کی سکام بھگتی کو سپھل کر کے اُن کی منوکامناؤں کو پُورن کرتی ہے۔ اِس طرح ایسے تموگنی پُرشوں کی شردھا اور وشواس میں ورِدھی ہوتی ہے۔ اور وُہ بھی ایک نہ ایک دِن ایشوری شکتی کا انوبھو کرتے ہوئے پاپ کرموں کا تیاگ کرتے ہیں اور تموگن سے ستوگن کی طرف اپنا قدم بڑھاتے ہیں اور آہستہ آہستہ اپنی پرکرتی کو بدل کر صحیح معنوں میں انسان بن جاتے ہیں۔

جب تک ہمارے دیش اور جاتی میں پورانک گرنتھوں کا پرچار رہا تب تک لوگ دھرم مارگ پر چلتے رہے اور یہ دیش سورگ بھومی بنا رہا۔ جھوٹ، فریب، چوری، پراستری گمن، ہنسا، مانس شراب، جھوٹی گواہی۔ دوسرے کا دھن چھیننا، نرا پرادھ کو سزا۔ برہم ہتیا، گو ہتیا؛ امانت میں خیانت۔ گویا کوئی بھی پاپ کرم یہاں نظر نہ آتا تھا گورنمنٹ کے انتظام خود بخود ہی ہو جاتے تھے۔ انکم ٹیکس لگانے کی ضرورت ہی نہ پڑتی تھی۔ سب لوگ راجہ کو اپنی نیک کمائی کا دسواں حصہ خود بخود ادا کرنے میں اپنا دھرم سمجھتے تھے جو ایسا نہیں کرتا تھا اُس کو ڈر رہتا تھا کہ مو رتی سے ہی گرا دیا جاؤں گا یا میری شُدھ گتی نہ ہوگی۔ گویا بھیانک واک یعنی نرک کا بھے اور رو چک واک یعنی سورگ کی اِچھّا۔ اِن دونوں بھاوناؤں سے سارے دیش میں سُکھ اور شانتی تھی۔ ہماری قوم براہمن اور سادھو سیوا نیز ابھیاگت سیوا (مہمان نوازی) میں دُنیا بھر میں مشہور تھی۔ گئو سیوا سے یہاں دُودھ کی ندیاں چلتی تھیں۔ لوگ سڑکوں و چوراہوں میں دُودھ کے مٹکے رکھ کر بیٹھ جاتے تھے اور راہگیر ابھیاگتوں کو دُودھ پلا کر اُن کو پرسن کر کے پُنیہ کے بھاگی بنتے تھے۔ کوئی بھی شخص ابھیاگت کو بھوجن کرائے بنا خود بھوجن نہ کھاتا تھا۔ براہمن کو بلند دینے کا رواج ابھی تک چلا آرہا ہے۔ کیسی اُتم بھاونائیں تھیں۔ براہمن کا کام ویدوں کو پڑھنا پڑھانا۔ یگیہ کرنا اور کرانا ہوتا تھا۔ وہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے اُن کو اپنے شریر کا کوئی فکر نہ ہوتا تھا۔ وہ وِدّیا کو بیچتے نہیں تھے بلکہ وِدیا دان دینے میں اپنا اہو بھاگیہ سمجھتے تھے۔ اِس طرح دیش کے کونے کونے میں وِدّیا اور دھرم کا پرچار ہوتا تھا۔ راجہ کو...... فوج کی ضرورت ہوتی تو کھشتری اپنا تن من اور دھن ارپن کر کے اپنے دھرم پر بلیدان ہو جاتے تھے۔ ویش کو بھی اپنے دھن اور پدارتھ سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ جب بھی دیش اور جاتی کو دھن کی ضرورت ہوتی۔ دیش اپنا اکٹھا کیا ہوا دھن راجہ کے ارپن کرنے میں خوشی محسوس کرتا تھا۔ شودر کے ہردیہ میں یہ بھاونا ہوتی تھی کہ میں نے دِوی جاتیوں کی سیوا کر کے ہی سورگ کو پراپت کرنا ہے۔ وہ بھی نشکام رُوپ سے اپنا دھرم سمجھتے ہوئے سب کی سیوا کرتا تھا۔ کسی کے اندر جاتی ابھیمان نہ ہوتا تھا۔ نہ ہی کوئی بڑا تھا نہ ہی چھوٹا جیسے براہمن اپنے آپ کو جاتی کا سیوک خیال کرتا تھا۔ ویسے ہی شُودر بھی۔ براہمن کے اندر شُودر کیلیئے مطلقاً کوئی نفرت (گھرنا) نہ تھی اور نہ ہی شُودر کو ہی کبھی یہ خیال آتا تھا کہ میں اپنے کرموں کو چھوڑ کر براہمن کے کرم کرنے شروع کر دُوں۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ قدرت کبھی غلطی نہیں کر سکتی۔ جس ورن میں اُس نے مجھے جنم دیا ہے میرے لیئے اُسی ورن کے کرم ہی سورگ یا موکھش کا ہیتو ہو سکتے ہیں۔ گویا گیتا کا گیان ہر ایک فرد بشر کے ہردے میں موجود تھا اور یہ دھرم بھاونا صرف پورانک گرنتھوں کے پٹھن پاٹھن سے ہی آتی تھی۔ جب سے ہم نے اِن دھرم گرنتھوں کا تیاگ کیا ہے

ہماری جاتی ادھوگتی کو پراپت ہو رہی ہے۔ جاتی کے سدھار کیلئے ہماری گورنمنٹ کو کئی طرح کے قانون بنانے پڑتے ہیں لیکن سدھار پھر بھی نہیں ہوتا۔ ہمارا یقین ہے کہ جب تک پھر دھرم گرنتھوں کا پرچار کرکے دھرم پر شردھا اور وشواش نہ کرایا جائے گا۔ سدھار ہونا اسمبھو ہے۔ (ادم شلم) (گورکھ ناتھ نندہ)

وشال ہردہ بنو

अयं निजा परोवेति गणनः लघू चेतसाम ।
उदार चित्तानांस्तु वसुदेव कुटम्बकम ॥

جن کا ہردہ وشال نہیں۔ جو اگیانی منش ہیں۔ وہی میرا تیرا اپنا بیگانہ یعنی محدودیت میں پھنسے رہتے ہیں۔ لیکن جو اُدار چِت (وشال ہردہ) ہیں۔ وہ تو تمام سرشٹی کو ہی اپنا کٹمبہ (پریوار) سمجھتے ہیں۔ اور سب کے ہت کیلئے ہی کرم کرتے ہیں۔ ہمارے بھارت کا یہی آدرش رہا ہے۔ اور یہی ہونا چاہیئے۔ موجودہ کانگریس حکومت بھی یہی چاہتی ہے کہ یہ بھارت ورش سیکولر سٹیٹ بنی رہے۔ اسمیں ہندو مسلمان سکھ عیسائی پارسی سب موجود رہیں۔ لیکن اپنے آپ کو بھارت نواسی (ہندوستانی) خیال کریں اور آپسمیں بھائی بھائی بنے رہیں کسی طرح کا کوئی تفرقہ نہ رہے۔ کھان پان چھوت چھات کا نام نشان مٹایا جا رہا ہے۔ اب براہمن (ستوگنی منش) اور چنڈال (تموگنی منش) گویا شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پی رہے ہیں سم درشی ہونے کا سبق تو آج سے پیشتر تمام رشی منی دیتے ہی آئے تھے لیکن کانگریس حکومت نے سب کو سم ورتی بھی بنا دیا ہے بھارت نواسیوں میں جو چیز ناممکن خیال کی جاتی تھی وہ ممکن کرکے دکھا دی ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس پر اعتراض کرتا ہے تو وہ قانونی طور پر جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ لیکن سم ورتی ہونے پر بھی لوگوں کے اندر حسد۔ بغض۔ کینہ۔ نفرت۔ میری قوم میرا مذہب۔ وغیرہ وغیرہ۔ تنگ خیالی کے جراثیم دن بدن بڑھ رہے ہیں۔ اس لئے کہنا پڑتا ہے کہ "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

واجب تو یہ تھا کہ لوگوں کو وحدانیت کی تعلیم دیکر وشال ہردہ بنایا جاتا۔ ہندو۔ سکھ مسلمان عیسائی سب کو دھرم کا ٹھیک مارگ دکھایا جاتا۔ اور اُن کے اندر جو خود غرضی کا بیج دشمنان قوم خود غرض لیڈروں نے بو رکھا ہے۔ اسکو اُکھاڑ دیا جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہو رہا۔ متعصب اکالی لیڈر۔ اور متعصب مسلم لیگی اب اپنی نئی راگنی گا رہے ہیں۔ کوئی پنجابی صوبہ کی مانگ کر رہا ہے اور کوئی ہندوستان میں ہی نیا پاکستان بنانے کی سوچ رہا ہے۔ گویا ہر ایک چار اینٹ کی علیحدہ مسجد بنانے میں ہی لگا ہوا ہے۔ بفرض محال اگر کانگریس حکومت اِن کے سامنے جھک گئی۔ تو دیش کی آزادی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ اور کوئی باہر کی طاقت یہاں اپنا اڈہ جمائیگی۔ اس لئے ہم بھارت نواسیوں سے ہی پرارتھنا کریں گے کہ وہ وشال ہردہ بنیں۔ ہندو سکھ عیسائی پارسی گویا تمام قومیں اپنے آپ کو ایک ہی پریوار سمجھیں اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور پیار سے رہیں۔ سب تفرقے مٹا دیں + خود غرض لیڈروں کے جال میں نہ پھنسیں۔

مذہب نہیں سکھاتا آپسمیں بیر رکھنا ؎ ہندی ہیں ہم وطن ہیں ہندوستاں ہمارا

خود غرض لیڈروں کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر بھارت نواسیوں کو اپنا اچھا آدرش

वसुदेव कुटम्बक

سوزِ محبت

شری نوبت رائے جی شوخ

جو اپنی خودی کو مٹاتے رہیں گے
جو خود کو اُسی پر مٹاتے رہیں گے

وہ سوزِ محبت سے خونِ جگر کا
جو رنگ آنسوؤں کو دلاتے رہیں گے

ہر اک سانس میں گرمیٔ ذکر لاکر
جو اشکوں کی جھڑیاں لگاتے رہیں گے

جو اوروں کو بھی ہمنوا کر کے اپنا
شب و روز روتے رُلاتے رہیں گے

محبت کا آئینہ خود کو بنا کر
صداقت کا جلوہ دکھاتے رہیں گے

ہر اک دل میں اپنے طریقِ عمل سے
لگن اک اُسی کی لگاتے رہیں گے

اُسی کے تصور میں یکسو جو ہو کر
اُسے اپنے دل میں بُلاتے رہیں گے

وہ پائیں گے پائیں گے پائینگے اُسکو
اُسے پاکے خوشیاں مناتے رہیں گے

رہِ عشق میں اُن کی خاکِ قدم کا
ہم آنکھوں میں سُرمہ لگاتے رہیں گے

رہیں گے وہی شوخ محروم مقصد
زبانی جو باتیں بناتے رہیں گے

بھارت کے نام رام کا پیغام

(سوامی رام تیرتھ ایم اے)

بھائی پیارے! تم بھارت رُوپ ہو۔ اپنے آپ کو سارا بھارت جاننا۔ کبھی اس سے کم نہ سمجھنا۔ ہمالہ تیرا ہی سر ہے۔ گنگا اور جمنا تیری ہی لٹا جٹائیں ہیں۔ مالابار اور کورومنڈل تیری ہی ٹانگیں ہیں۔ پنجاب اور مشرقی آسام تیرے ہی بازو ہیں۔ ہندوستان کے تینتیس کروڑ زن و مرد کا دل تیرا ہی شیر دل ہے۔ اُن کی طاقت تیرے ہی بازو کا زور ہے۔

آ بھارت! میں تجھے گلے لگاؤں۔ وہ رام ہنسے۔ وہ سُورج چڑھا۔ وہ بھارت جاگا۔ ہندوستاں جاگا! جاگا! جاگا!

جاگ موہن جاگ رے پل گئی
اُٹھو جاگو۔ کھاؤ ماکھن۔ پھیر ڈاروں ری
رات بھاری گئی۔ ساری بھور اب تو بھئی۔
چڑی پنچھی ہیں بُلاوت کھیل اُن سے سہی۔

مطلب:- اے پیارے بھارت ورش (موہن۔ کرشن۔ ہند) اب جاگو۔ اودیا (جہل) کی نیند بہت سوئے۔ میں صدقے بلہار! اب اُٹھو۔ ہوشیار ہو۔ سنسار روپی گائے کا ماکھن کھا لو۔ یہ شکتی بھرا میٹھا میٹھا ماکھن (برہم گیان) چکھ لو۔ بڑا زور آجائے گا۔ طاقت بھر جائے گی۔ گوردھن (سنسار کی مشکلات) اُٹھانا بائیں ہاتھ کا کرتب نہیں اُنگلی کا کھیل ہو جائیگا۔

وہ دیکھو! ننھا کرشن (ہند) جاگ پڑا۔ اُدں۔ اُدں۔ اُدں۔ نہیں نہیں۔ ادم۔ ادم۔ ادم +

اے موہن (بھارت) یہ پنچھی گا گا کر تجھے جگایا چاہتے ہیں۔ کل کی طرح اب بھی تیرے ہاتھوں دانہ چاول تل وغیرہ کھائیں گے۔ اے محبت بھرے بال گوپال! تیرے ساتھ کھیلنے کو یہ جانور جمع ہو رہے ہیں۔ تیری دل لگی کے سب سامان تیار ہیں۔ اُٹھ کھڑا ہو۔ چڑیاں چوں چوں کر رہی ہیں۔ کوّے کائیں کائیں کرتے ہیں۔ مور پیوں پیوں کوک رہے ہیں کوئی کسی بیرونی ہُنر کے پیچھے پڑا ہے۔ کوئی کسی جسمانی سکھ میں اڑا ہے۔ کوئی کسی ظاہری سائنس میں اُلجھا ہے۔ یہ سب حواس تک پہنچنے والی راگنیاں ہیں۔ اے بھارت! یہ سب صرف تیرے پیار کرنے کے سامان ہیں۔ نیند میں بھی عجیب مزا ہے پر اب تو خوب سو لیے۔ تازہ ہو چکے۔ مچلتے کیوں ہو۔ تم بھی گاؤ۔

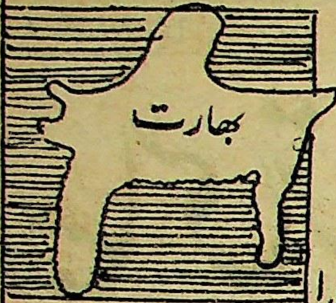
یہ دیکھو تمہاری بنسری (برہم گیان) کون چرا لے گیا؟ نہیں نہیں تمہارے ہی پاس ہے۔

آہاہا! وہ بھارت نے سُورج کی طرح روشن آنکھیں کھولیں۔ لب خنداں پر بانسری دھری اور دل و جگر میں سما جانے والا رُوحانی نغمہ ہوا کے پروں پر سوار ہو چاروں طرف گونجنے لگا۔ گُل گوکل (تمام دُنیا) میں پھیلنے لگا۔ آسمان کی خبر لانے لگا۔ جے! جے! جے! کیسے رہنمائے مذہب! کیسے محبت توم!

مذہب عشق از ہمہ ملت جداست + عاشقاں را مذہب و ملت خداست

لیکھک :- سنت بابا بوڑ سنگھ جی بیر





دل و جان سے ہے مجھکو اپنا وطن پیارا
سارے جہاں سے اچھا ہے دیش یہ ہمارا

خاکِ وطن کیا ہے میرے لئے صنم ہے
خاکِ وطن کا ذرہ گوہر سے کچھ نہ کم ہے
اکسیر سے بھی اعلےٰ خاکِ وطن قسم ہے
جس نے وطن کو پوجا اُس کو رہا نہ غم ہے

دل و جان سے ہے مجھکو اپنا وطن پیارا
سارے جہاں سے اچھا ہے دیش یہ ہمارا

میرے وطن سے موتی وہ وہ ہوئے ہیں پیدا
میرے وطن کا رتبہ دنیا میں سب سے اعلےٰ
سارا جہان جن پر ہوتا ہے دل سے شیدا
میرا وطن ہے بھائیو سارے جہاں سے اچھا

دل و جان سے ہے مجھ کو اپنا وطن پیارا
سارے جہاں سے اچھا ہے دیش یہ ہمارا

اس دیش ہی نے سب کو تہذیب ہے سکھائی
اس دیش ہی نے سب کو کوئے صنم بتائی
سارے جہاں کو حکمت اِس دیش نے پڑھائی
اِس دیش ہی نے سب کی اگیانتا مٹائی

دل و جان سے ہے مجھکو اپنا وطن پیارا
سارے جہاں سے اچھا ہے دیش یہ ہمارا

بھارت کی وہ ہے مٹی پارس ہے نام جس کا
اس خاک سے بنا اُپجا ہے نام شیام جس کا
لوہے کو زر بنانا ہے خوب کام جس کا
پڑھتے ہیں فخر سے سب سندر کلام جس کا

دل و جان سے ہے مجھ کو اپنا وطن پیارا
سارے جہاں سے اچھا ہے دیش یہ ہمارا



سیاسی ترقی اور ویدانت کی تعلیم

(از پروفیسر دیس راج جی۔ ایم۔ اے)

یہ غلط ہے کہ ویدانت کی تعلیم ملک کی سیاسی ترقی میں روکاوٹ پیدا کرتی ہے

آج کل تہذیب یافتہ لوگ دہرم سے متنفر ہوتے جاتے ہیں۔ ہر ایک مغرب زدہ آدمی دہرم یا مذہب کو ایک غیر ضروری بدعت خیال کرتا ہے۔ اِن کی رائے میں جتنی جلدی دہرم یا مذہب کو تلانجلی دے دی جائے۔ بنی نوع انسان ایک بڑے بھاری خطرہ سے بچ جائیں گے۔ اور ملک ترقی کرنے لگے گا۔ اس قسم کے بلکہ اس سے زیادہ ردّی خیالات ملک میں سرایت کر رہے ہیں۔ اِن کا دعوےٰ ہے۔ کہ ہم نے انسانی جسم کو چیر پھاڑ کر دیکھا ہے۔ اس کے رگ و ریشہ کی پڑتال کی ہے۔ لیکن آتما ہمیں کہیں نظر نہیں آتی۔ ہمیں ایشور کی شکل نظر نہیں آتی۔ جب جسم کی مرتیو ہو جاتی ہے۔ اِس کے ساتھ ہی اِنسان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ رُوح یا آتما ایشور یا پرماتما سب کے سب مذہبی دیوانوں کے دماغ کی اختراع ہیں۔ اِن کے علاوہ ایک گروہ سیاسی ترقی کے لیئے ویدانت کیا۔ بلکہ تمام دھرموں کو نقصان دِہ خیال کرتا ہے+

سائنس اور ویدانت

اِس سے یہ خیال نہ کر لیا جائے۔ کہ ہم بھی سائنس کی تعلیم کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بلکہ موجودہ زمانہ میں سائنس نے جن خیالات کا پرچار کیا ہے۔ یا کرنا شروع کیا ہے۔ وہ دہرم کے ورودھ نہیں بلکہ دہرم کے عین موافق ہیں۔ جن لوگوں نے سر آرتھر اڈنگٹن۔ سر آلیور لاج اور سر جیمز جینز اور آئینی سٹائن جیسے سائنسدانوں کے خیالات کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ آپ کو بتائیں گے۔ کہ موجودہ سائنس مادہ کی پجارن نہیں رہی ہے۔ مختصر الفاظ میں اگر بتایا جائے تو یوں خیال کرو۔ کہ مادہ صرف طاقت برقی کا ایک دوسرا رُوپ ہے۔ اور برقی لہروں کی پیدائش آکاش سے ہے۔ غرضیکہ مادہ سوائے آکاش کے کچھ ہے ہی نہیں۔ سر آرتھر ایڈنگٹن ایک قدم آگے چلتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ جگت کا اصلی رُوپ سمجھنے کے لیے ہمیں اپنے اندر جھانکنا ہوگا۔ اور آتما کی روشنی کو دیکھنا ہوگا۔ یہی صرف ایک آتما ہے۔ جو مختلف اشکال میں نمودار ہو رہا ہے۔ اب ناظرین آپ ہی خیال کریں۔ کہ یہ تعلیم ویدانت کی حامی ہے۔ یا نہیں۔ اسی تعلیم کو ہم نے دوسرے نقطہ نگاہ سے لیا۔ پراچین رشیوں نے پہلے ہی یہ مسئلہ واضح طور پر بتایا کہ جگت کی اصلیت سمجھنے کے لئے پہلے تلاش کنندہ کو پہچان لو کہ وہ کون ہے۔ جب آپ مکمل طور پر تلاش کنندہ کی حقیقت سے آگاہ ہو جائیں گے

تو آپ کی ساری جستجو ختم ہو جائیگی۔ یہ وہ وِدّیا ہے۔ جس کو اُپنشدوں میں سب وِدّیاؤں کی ماں کہا گیا ہے۔ ویدانت اور موجودہ سائینس میں فرق ہے تو صرف اِتنا ہے کہ سائینداِنوں نے بیرونی دُنیا کے مطالعہ سے یہ سچائی دریافت کی ہے۔ اور پراچین رشیوں نے اندر سے سچائی کی روشنی دیکھی۔

سیاسی میدان اور ویدانت

جن بزرگ ہستیوں نے بھگوت گیتا کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ مانتے ہیں کہ ویرارجن نے صرف ویدانت ہی کا اُپدیش لیکر بھگوان کرشن کی پوتر تعلیم کوشن کررن بھومی میں ویرتا دکھائی تھی۔ اور وجے پراپت کی تھی۔ ویدانت لوگوں کو شیر نر بناتا ہے۔ بزدلی کو کوسوں دُور کرتا ہے۔ ویدانت نے تو کرم کرنے کی بار بار تعلیم دی ہے۔ کرم کے تیاگ کرنے کو پاپ بتایا ہے۔ ویرارجن کرم کے تیاگ کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ تو بھگوان کرشن نے ویدانت کی تعلیم دی۔ اور بتلایا کہ کرم کے تیاگ سے مراد کرم کے پھل کے تیاگ سے ہے۔ کرم کرو۔ کرم کرو۔ لیکن پھل کی کامنا نہ کرو۔ یہ ویدانت کا سنہری اُپدیش ہے۔ اگر اس اُپدیش کو شن کر دگ اپنی مادر وطن کی سیوا سے بھاگتے ہیں۔ تو بہت تعجب ہے۔ مہاتما گاندھی سے زیادہ پوتر ہستی میدان عمل میں ابھی تک کوئی نہیں آئی۔ لیکن گیتا کا اُپدیش اِن کو کتنا عزیز تھا۔ انہوں نے ویدانت کا اصلی تتو بھگوت گیتا سے حاصل کیا۔ اور اس پوتر گرنتھ کا ترجمہ انہوں نے ہندی میں کیا۔ علاوہ اِس کے لوکمانیہ تلک جو کہ ماتری بھومی کے پریم میں رنگے ہوئے تھے۔ وہ اِس سُنہری تعلیم سے فیضیاب تھے۔ چنانچہ بھگوت گیتا پر اُن کے لیکچر اور بھگوت گیتا کا ترجمہ اُن کے پریم کو ظاہر کرتا ہے۔ اِن مثالوں سے واضح ہوتا ہے۔ کہ سیاسی میدان میں جو اُدتم ہستیاں ہوئی ہیں۔ وہ ویدانت کی انوکھی تعلیم سے بہرہ ور تھیں +

سنیاس اور ویدانت

بعض آدمی محض گیروے رنگ کے کپڑے پہن لینے کو سنیاس سمجھ لیتے ہیں۔ اور صرف دربدر بھیک مانگنے کو سنیاس یا تیاگ خیال کرتے ہیں۔ وہ ویدانت کی تعلیم کے خلاف ایک یہ الزام لگاتے ہیں کہ ویدانت انسان کو محض سنیاس کی طرف راغب کرتا ہے۔ اور سادھو لوگ کوئی کام نہیں کرتے۔ صرف سارا دن چرس پھونکنا ہی اُتم کرم خیال کرتے ہیں۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے۔ وہ راستی پر نہیں ہیں۔ سنیاس یا تیاگ کسی بڑے اُدیش کو لے کر لیا جاتا ہے۔ سچا سنیاسی مُلک کیلئے بہت مُفید ثابت ہوتا ہے۔ جس شخص کی ضروریات بالکل نفی کے برابر ہو چکی ہوں۔ اور نشکام کرم کے بھاؤ سے میدانِ عمل میں آیا ہو۔ سوسائیٹی کے لئے وہ بہت مُفید ثابت ہوگا۔

۱۹۲۴ء کا ذکر ہے۔ کہ لاہور میں پلیگ کی بیماری کا زور ہو گیا تھا۔ بہت سے آدمی اس مرض سے لقمۂ اجل ہوئے۔ غریب آدمیوں کا تو کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ عین اسی وقت بنگال سے پرم ہنس سوامی رام کرشن جی کے مٹھ سے چند سادھو آئے۔ انہوں نے غریبوں کے گھروں میں جاکر مُفت دوائی اور دُودھ تقسیم کیا۔ جہاں ڈاکٹر جانے سے گھبراتے تھے۔ اور بڑی سے بڑی رقمیں بطور فیس لیکر بھی مریض کے گھر جانے سے اِنکار کرتے تھے۔ آخر گھبراتے بھی کیوں نہ۔ اِن کو اپنے بچے اور اپنی بیوی عزیز تھی وہ اِن کی خاطر اپنی زندگی کو خطرہ میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ وہاں یہ سادھو بے دھڑک غریبوں

کی تیمارداری کرتے تھے۔ ان کی کوشش سے بہت سے غریب آدمیوں کی جانیں بچ گئیں۔ جب بیماری کا زور کم ہو گیا۔ تو سادھوؤں کا یہ گروہ کسی معاوضہ کے بغیر رخصت ہو گیا۔ انہوں نے اتنا بھی انتظار نہ کیا۔ کہ لوگ اُن کا شکریہ تو ادا کریں۔ یہ ہے سچّا تیاگ۔ اور سچا سنیاس۔ ویدانت ایسے سنیاس اور تیاگ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ہر کس و ناکس کو اس اعلےٰ درجہ کے لائق خیال نہیں کرتا۔ ایسے اُتم پُرش تھوڑے ہوتے ہیں+

ویدانت کیا ہے

ویدانت کیا ہے۔ یہ پرم دھرم آتما۔ جگت اور ایشور کے درمیان جو تعلق ہے۔ اس کو واضح کرتا ہے۔ ویدانت میں ذرا ذرا سے فرق کے ساتھ بہت سے مت پیدا ہو چکے ہیں۔ جن میں سے دو مشہور ہیں۔ سوامی شنکر آچاریہ جی مہاراج کا ادویت واد اور دوسرا وششٹ ادویت واد ہے۔ ان دونوں میں بہت تھوڑا فرق ہے۔ لیکن آجکل سوامی شنکر آچاریہ جی مہاراج کے سکول کو زیادہ پسندیدہ نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ سوامی رام تیرتھ جی اسی مت کے انویائی تھے۔ اس لیے میں مختصر الفاظ میں اس کا ذکر کروں گا۔ ویدانت کا دعوےٰ ہے کہ سوائے برہم کے کوئی دوسری ہستی ہے ہی نہیں۔ ہم محض اودیّا سے اپنے آپ کو ایشور سے اور ایک دوسرے سے علیحدہ مان کر دُکھی ہو رہے ہیں۔ یہی اودیّا ہمیں بار بار جنم اور مرن کے چکر میں ڈال کر پریشان کر رہی ہے۔ اس کے ثبوت میں ویدانت کے انویائی فرماتے ہیں۔ کہ ذرا اپنے آپ کو غور سے دیکھو۔ تو معلوم ہو گا۔ کہ عام طور پر آدمی تین اوستھاؤں سے گذرتا ہے۔ جاگرت سوپن سشپتی۔ اس کے علاوہ خاص خاص آدمیوں پر ایک اور اوستھا آتی ہے۔ جس کو تُریا کہتے ہیں۔ اگر ہم ان تمام اوستھاؤں کا بغور مشاہدہ کریں تو معلوم ہو گا کہ جاگرت میں ہمیں بیرونی دُنیا کا گیان ہوتا ہے۔ بیرونی جگت میں بیشمار تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن ان تبدیلیوں کے جاننے والے آتما پر اِن کا کچھ اثر نہیں ہوتا وہ ایک رس رہتا ہے۔ آتما اِن سب کی شاہد ہے۔ اسی طرح سے سوپن اوستھا میں اپنے خیالات سے ہم نیا جگت پیدا کر لیتے ہیں۔ اور اس میں جاگرت کی حالت کی طرح دُکھی اور سُکھی ہوتے ہیں۔ اور جاگرت کے تجربات سے بالکل مختلف دُنیا دیکھتے ہیں۔ سوپن اوستھا میں ایک بہت غریب آدمی اپنے آپ کو راجہ دیکھتا ہے۔ گدا شاہ بن جاتا ہے۔ سوپن اوستھا میں ہم اس کو ست مانتے ہیں لیکن جاگنے پر استت خیال کرتے ہیں۔ جاگرت اوستھا کو ہم نے سوپن میں کبھی بھی استت خیال نہیں کیا۔ کیونکہ اس سروپ کو ہم بھول گئے ہوتے ہیں۔ لیکن خواب کے تجربات کو جاگنے پر ہم یاد کرتے ہیں۔ اور پھر اسے استت کہہ کر اس سے لاپرواہ ہو جاتے ہیں۔ ہاں اس سے ایک بات ضرور سدھ ہوتی ہے۔ کہ آتما میں دیش کال۔ وستو اور سلسلہ علت و معلول پیدا کر لینے کی شکتی ہے اس شکتی کا مشاہدہ ہم صرف سوپن اوستھا میں کرتے ہیں۔ جاگرت میں ہم دیش کال کے بس میں ہوتے ہیں۔ لیکن سوپن اوستھا میں ہم دیش کال بنا لیتے ہیں لیکن ایک دفعہ اس نئے سلسلہ کو رچ کر پھر اس کے غلام بن جاتے ہیں اور اپنے ہی جال میں آپ پھنس کر دُکھی سُکھی ہوتے ہیں۔ اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے سوپن اوستھا ہم پیدا کر لیتے ہیں۔ اور پھر ان میں مبتلا ہو کر حیران و پریشان ہو جاتے ہیں۔ اس سے آگے چل کر سشپتی کی

اوستھا کا بنظر غور مشاہدہ کرتے ہیں۔ تو ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس اوستھا میں ہم سب اوستھاؤں کو بھول جاتے ہیں شاہ وگدا برابر ہو جاتے ہیں۔ اور اس وقت دُنیا کے رنج والم کو طاقِ نسیاں پر رکھ دیتے ہیں لیکن اس حالت میں بھی آتما چیتن اور ساکھشی ہے۔ اس وقت آنند کو محسوس کرتی ہے۔ اسی لیے جب کوئی آدمی سو کر اُٹھتا ہے تو کہتا ہے۔ کہ آج تو میں بڑے آنند سے سویا۔ اور بالکل بے خبری کی حالت میں تھا۔ گویا اس وقت اس بیخبری کا بھی علم ہوتا ہے۔ اسی لئے جاگنے پر اس کی خبر دیتا ہے۔ اس وقت توجہ باہر سے ہٹ کر اندر کیطرف ہوتی ہے۔ اور اپنے اصلی سروپ کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ آتما ان سب اوستھاؤں کا ساکھشی ہے۔ عام آدمی خیال کرتے ہیں۔ کہ ان تین اوستھاؤں کے علاوہ اور کوئی اوستھا نہیں ہے۔ لیکن رشیوں اور منیوں نے ایک اور اوستھا کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو ان کے مشاہدہ میں آئی ہے۔ اور اس کو تُریا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس اوستھا میں باقی تمام اوستھاؤں کو آدمی کلپت محسوس کرتا ہے۔ جسطرح سے جاگنے کے ساتھ سپن اوستھا متھیا معلوم ہونے لگتی ہے۔ عین اسی طرح باقی ساری اوستھاؤں کے مشاہدات تریا میں ان کو متھیا فرضی اور جھوٹے نظر آتے ہیں۔ تریا اوستھا میں جگت اور مادہ۔ دُکھ سُکھ۔ پُن پاپ۔ نرک اور سورگ سب کے سب متھیا معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور کسی شُبہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور ہمارے سُکھ دُکھ۔ شاہی وگدائی سب کے سب ناش ہو جاتے ہیں۔ کیول ایک آتما ہی رہ جاتا ہے۔ سوائے برہم کے اور کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ اسی اوستھا کے آدھار پر ویدانت کا دعوےٰ ہے۔ کہ سوائے برہم کے سب کچھ است ہے۔ تُریا میں آتما کچھ نہیں دیکھتی۔ لیکن اندھی نہیں ہو جاتی۔ اپنی ہستی برہم میں کھو دیتی ہے۔ لیکن نیست ونابود نہیں ہو جاتی۔ اس اوستھا کی پراپتی کے بہت سادھن ہیں۔ نشکام کرم۔ بھگتی یوگ یہ سب کے سب آتما کو اس اُونچ اوستھا کی طرف لیجاتے ہیں۔ جن کو اس اوستھا کی خواہش ہو۔ وہ پہلے ویراگ وویک دھیان اور سمادھی سے اسے پراپت کر سکتے ہیں۔

جگت اور برہم

یہ جگت اس برہم کا ایک ظہور ہے۔ آکاش۔ وایو۔ سورج۔ تارے۔ پرتھوی وغیرہ سب کے سب اسی ایک ہی ذات کا جلوہ ہے۔ وہی برہم اپنی مایا سے جگت نظر آرہا ہے۔ اور جیو بن رہا ہے۔ وہی مایا جیو کے ساتھ اودیا بنی ہوئی ہے۔ جس طرح سے جیو اپنی اودیا سے سپن سرشٹی پیدا کر لیتا ہے۔ عین اسی طرح سے ایشور کی مایا سے جگت کی پیدائش ہو جاتی ہے۔ جگت کی پیدائش مایا اور برہم سے ہے۔ مایا کا سُروپ بڑی مشکل سے سمجھ میں آتا ہے۔ مایا میں اور اودیا میں فرق صرف درجے کا ہے۔ جس طرح اودیا ساری سپن سرشٹی پیدا کر لیتے ہیں۔ عین اسی طرح مایا سے ساری سرشٹی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن مایا اور اودیا میں ایک بڑا بھاری فرق ہے۔ مایا ایشور کے آدھین ہے۔ لیکن اودیا جیو کے آدھین نہیں ہے۔ اُلٹا جیو اس کے چکر میں پھنس کر مصیبت میں مبتلا ہو رہا ہے ایشور کی چیتن شکتی جیو میں موجود ہے۔ اس کی پوترتا جیو کو اپنے اصلی سروپ کی طرف ابھارتی ہے۔ جیو اپنی اودیا سے خلاصی پاکر نروان پراپت کرکے برہم سُروپ ہو جاتا ہے۔ مایا کا سُروپ ایشور سے اور برہم سے علیحدہ نہیں ہے۔ غرضیکہ ویدانت کی تعلیم کے بموجب صرف ایک ہی ہستی ہے۔ اور وہ ہستی برہم ہے +

جدھر دیکھا جمالِ یار دیکھا

اُسی کا ہر طرف اظہار دیکھا
جدھر دیکھا جمالِ یار دیکھا

ہوئی ظاہر اُسی رنگین کی رنگت
جو دیکھا ہم نے گُل یا خار دیکھا

غنی دیکھا کوئی اور کوئی نادار
کوئی مُفلس کوئی زردار دیکھا

چھُپا کرتا تھا جو گلچہرہ ہم سے
وہ ہم نے بر سرِ بازار دیکھا

نظر آیا کہیں وہ ابرِ گریاں
کہیں کو وہ برقِ آتشبار دیکھا

کہیں آیا نظر وہ عینِ مطلوب
کہیں وہ طالبِ دیدار دیکھا

کہیں تسبیح خواں سجدہ میں پایا
کہیں پہنے ہوئے زنّار دیکھا

کہیں دیکھا مئے وحدت سے سرمست
کہیں دانا کہیں ہوشیار دیکھا

برنگِ مختلف ہر وقت و ہر بار
وہ گلرو اپنا دکھلاتا ہے دیدار

پریم اور آنند

از مہاتما ٹالسٹوئی

(۱) کیا سبب ہے کہ جب ہم کوئی نیک کام کرتے ہیں۔ تو خوشی مجسم ہو جاتے ہیں؟ کیونکہ ایسا کام ہمیں یقین دلاتا ہے۔ کہ ہماری سچّی "ہیں" صرف ہماری شخصیت تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ کل زندگی کے اندر موجود ہے۔

(۲) جب کوئی شخص صرف اپنی خاطر جیتا ہے تو وہ اپنی سچّی "ہیں" کے صرف ایک جزو کے لئے جیتا ہے۔ اور جب کوئی دوسروں کی خاطر جیتا ہے۔ تو وہ اپنی "ہیں" کا پھیلاؤ محسوس کرتا ہے۔

(۳) لوگوں کی زندگی اس لئے دُکھ بھری بن رہی ہے۔ کہ وہ نہیں جانتے۔ کہ وہ آتما جو ہم سے ہر ایک کے اندر موجود ہے۔ سب کے اندر براجمان ہے۔ اسی جہالت سے ہی دُشمنی اور مخالفت پیدا ہو رہی ہے۔ اور جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے۔ کہ کوئی دولتمند ہے۔ کوئی غریب کوئی مالک ہے کوئی مزدور۔ اسی جہالت سے ہی ہر قسم کی نفرت۔ حسد اور انسانی عقوبت کا ظہور ہوا ہے۔

(۴) لوگوں کی تمام مصیبتیں خراب فصلوں۔ آتشزدگیوں اور لوٹ مار کا نتیجہ نہیں ہیں۔ بلکہ صرف اس وجہ سے کہ لوگ مخالفت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور اس مخالفت کا باعث یہ ہے کہ وہ اس پریم کی بانی میں وشواس نہیں رکھتے۔ جو اِن سب کے اندر جیتا ہے۔ اور سب کو ملاپ کے لئے بلا رہا ہے +

(۵) انسان کو مرتے سمے اس بات کا افسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کہ وہ اپنی دولت جائیداد اور مکان سے جُدا ہو رہا ہے۔ اُسے اس وقت ہاتھ ملنے چاہئیں۔ جب وہ اپنی حقیقی بھلائی یعنی بڑے سے بڑے آنند کو جو پریم سے ظاہر ہوتا ہے۔ کھو بیٹھا ہو۔

حبِ وطن

از قلم ڈاکٹر راج بہادر ورما راز بریلوی

کُنجِ قفس میں بھی ہے مجھے فکرِ گلستان
تاریکیٔ زندان سے نہیں میں ہوں پریشان
اور دار پر چڑھنے سے نہیں دِل میرا لرزاں
حُبِ وطن کا جوش رگوں میں ہے موجزن۔

برگشتہ مجھے کتنے ہی لیل و نہار ہوں
پروا نہیں جو ابرِ مصائب ہزار ہوں
آگے قدم بڑھیگا کہ منزل میں خار ہوں
حُبِ وطن کا جوش رگوں میں ہے موجزن

دُنیا کو دِکھانا ہے مجھے راہِ صداقت
دُنیا پہ لُٹانا ہے مجھے دُرِ حقیقت
منزل سے ہٹا سکتا نہیں شورِ قیامت
حُبِ وطن کا جوش رگوں میں ہے موجزن

مانا ہیں میرے آہ و بُکا سے وہ بے خبر
مانا ہیں میرے گریہ و نالہ بھی بے خبر
منزل کو کھینچ لاؤنگا اپنی طرف مگر
حُبِ وطن کا جوش رگوں میں ہے موجزن

اے رازؔ میں ہُوں راہ حقیقت کا رہنما
اے رازؔ میں ہُوں اپنی تمنّا کا آسرا
اے رازؔ جانتا ہوں میں انجام ابتدا
حُبِ وطن کا جوش رگوں میں ہے موجزن

"کیا کروں کیا نہ کروں"

(چودھری ہربنس لال - بی - اے - بی - ٹی)

کیا کروں - کیا نہ کروں - یہ میں نہیں جانتا -

سُنا ہے کہ گیانی لوگ بھی ایسی اوستھا میں ہو جاتے ہیں - وہ بھی اسی طرح اُلجھن میں پڑ جاتے ہیں - کیا کریں - کیا نہ کریں +

سنسار ایک کُھلا کرم کھیتر ہے - اِنسان کی شکتیاں محدود ہیں - اُن کا دائرہ بھی محدود - سنسار میں تو کسی پرکار کی بھی کمی نہیں - ایشور نے اِس کی رچنا کچھ ایسے ڈھنگ سے کی ہے کہ یہ ہر پہلو سے، ہر حال میں مکمل ہے - اِنسان تو ایک نِمت ماتر ہے - جو کچھ ہو رہا ہے - اس کے پیچھے کوئی پوشیدہ ہاتھ کام کر رہا ہے - اگر انسان نِمت ماتر ہے تو نِمت اچھا بھی ہو سکتا ہے - ایسا واقع ہُوا ہے - یہی ایک خیال ہے جو انسان کو حوصلہ دیتا ہے اور یقین دِلاتا ہے کہ وہ کچھ خاص کام کرے +

دِن ہوتا ہے - رات ہو جاتی ہے - رات ہوتی ہے - دِن ہو جاتا ہے - عُمر کی گھڑیاں بیتی جا رہی ہیں - مَیں اُن کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہُوں مگر بے سُود - میرا حال ایک مصروف بے کار کا سا ہے - مَیں سوچتا ہُوں کہ کیا کروں - کیا نہ کروں +

مُبارک ہیں وہ جو دیش اور جاتی کیلئے بلیدان ہُوئے - اُن کے نام اِتہاس میں سُنہری حروف سے لکھے گئے ہیں - وہ امر ہیں - سنسار کی جان ہیں - شان ہیں - سنسار اُن پر بجا ناز کرتا ہے +

مُبارک ہیں وہ جو بنی نوع اِنسان کی ادبی خدمت کر پائے ہیں - وہ خود اِتہاس میں اپنا مقام رکھتے ہیں - اُن کے نام بھی امر ہیں - وہ روشنی کے مینار ہیں +

مُبارک ہیں وہ بھی جن کا ایمان خدمتِ خلق ہے - اُن کے لئے مان، اپمان - بڑائی - چھوٹائی امیری اور غریبی یکساں ہوتی ہے - وہ شہرت کے پیچھے نہیں بھاگتے - ایسے ایمان والے لوگ فخرِ اِنسانیت ہوتے ہیں +

بھگوان! مجھے شکتی دے کہ مَیں اس جیون میں کسی کھیتر میں بھی کوئی تُچھ سیوا کر سکوں میرے من میں کیول نہاں کام کرنے کا سوال پیدا نہ ہو - مَیں تو چاہتا ہُوں کہ جو شکتیاں مجھے ملی ہیں اُن کا صحیح استعمال کر سکوں - دیانتداری سے +

مَیں جان جاؤں کہ مَیں کیا کروں - کیا نہ کروں - میری یہ اُلجھن دُور ہو جائے کہ کیا کروں - کیا نہ کروں +

آزادی نمبر

شری امرچند قیس

تعمیر و ترقی

بھارت کی ترقی کا مذکور تو گھر گھر ہے
دُنیا کی زباں پر ہے

تعمیر کے جلووں سے ویرانے بھی گلشن ہیں
فردوس بہ دامن ہیں

طوفان سے برپا ہیں ہر سمت بہاروں کے
گل پوش نظاروں کے

ہر خار کے پہلو میں جنت کے نظارے ہیں
گل ہیں کہ ستارے ہیں

وہ خطّے جو بنجر تھے اب رشکِ گلشن ہیں
اجناس کے خرمن ہیں

ہر نہر کے دامن میں تسنیم مہکتی ہے
چاندی سی لہکتی ہے

ہر علم و ہنر کی رَو دیہات میں جاری ہے
محبوب ہے پیاری ہے

ہم اپنی کمندوں کو افلاک پہ ڈالیں گے
یوں بات بنا لیں گے

بے خوف رواں ہم ہیں بھٹکیں گے نہ راہوں میں
منزل ہے نگاہوں میں

غیروں کے سہارے کی کیا ہم کو ضرورت ہے؟
اللہ کی رحمت ہے

ہم امن کے شیدا ہیں جو آنکھ اُٹھائے گا
ٹھوکر ہم سے وہ کھائے گا

مہاتما بُدھ کا اپدیش

۱۔ اگر کوئی شخص بُرے خیالات سے بولتا یا کام کرتا ہے۔ تو دُکھ اس کا اس طرح تعاقب کرتا ہے جس طرح گاڑی کا پہیہ گاڑی کھینچنے والے کا۔ جیسے شہد کی مکھی پھُول کی خوبصورتی اور خوشبو کو نقصان پہنچائے بغیر اس میں سے امرت چُوس لیتی ہے۔ اِسی طرح گیانی پُرش کو دُنیا میں زندگی بسر کرنا چاہیئے +

۲۔ جو شخص وِشے بھوگ میں لگا ہُوا ہے۔ وہ ایسے شخص کی مانند ہے۔ جو ہاتھ میں مشعل لیکر بادِ وزاں کے خلاف دوڑتا ہے۔ مورکھ آدمی! اگر وہ مشعل کو پھینکے نہیں دیتا۔ تو اپنا ہاتھ جلا بیٹھتا ہے۔ ٹھیک یہی حال شہوت (کام) غضب (کرودھ) حرص (لوبھ) اور حسد (ایرشا) کی آگ کا ہے۔ جو آدمی حریص ہو کر دھن اور بھوگ کی تلاش کرتا ہے۔ وہ اس نادان بچے کی مانند ہے۔ جو چھُری کے ساتھ شہد کھاتا ہے۔ ابھی شہد کا رس پوری طرح نہیں چکھتا کہ اس کی زبان کٹ جاتی ہے +

(۳) جو شخص بھوگوں (لذات محسوسات) میں مست ہے وہ ایک ایسے برتن کی مانند ہے جس میں گندہ پانی بھرا ہُوا ہے۔ اس کے اندر خواہ کیسی ہی خوبصورت چیزیں ڈالی جائیں۔ بس پانی کے ہلانے کی دیر ہے۔ کہ سب گیلی اور ناپاک ہو جاتی ہیں۔ نفسانی خواہشات ہمارے دِل کو اسی طرح گدلا کر دیتی ہیں جیسے کیچڑ پانی کو۔ پھر ہم پرم سیتہ کے سوندریہ کو دیکھنے کے قابل نہیں رہتے۔ جب ہم اس آلودگی سے نجات پاتے ہیں۔ تب ہم اپنی ہستی کی روحانی دولت کو دیکھتے ہیں۔ جو ہم کو شروع سے ہی حاصل ہے +

(۴) اگر کوئی عورت بُوڑھی ہے؟ اس کو ماں سمجھو۔ ہم عمر ہے؟ اس کو بہن خیال کرو۔ کم عمر ہے؟ چھوٹی بہن سمجھ کر برتاؤ کرو۔ بچّی ہے؟ اس کو بھی عزّت کی نگاہ سے دیکھو۔ شہوانی خیالات سے بچ کر رہو۔ کسی عورت کو کبھی ناپاک نظر سے نہ دیکھو۔

(۵) شراب اور دیگر منشیات کا استعمال مت کرو۔ جو شخص شراب پیتا ہے یا کوئی شہوانی فعل کرتا ہے یا اس کی خواہش رکھتا ہے وہ اسی دُنیا میں ہی اپنی جڑ آپ اُکھاڑتا ہے۔ بدی کو معمولی شے سمجھ کر کبھی یہ خیال نہ کرو۔ کہ یہ میرے نزدیک نہیں آئے گی۔ جس طرح قطرہ قطرہ گرنے سے پانی کا برتن بھر جاتا ہے۔ اسی طرح احمق آدمی بھی آخر کار بدی سے بھر جاتا ہے۔ بھوگ اِچھا (خواہش لذات) کو جڑ سے اُکھاڑ دو۔ تاکہ پرلوبھن (ترغیب بد) تمہیں بار بار اس طرح تباہ نہ کرنے پائے جس طرح ندی سرکنڈوں کو +

غلط فہمیاں

از پنڈت خوشدل صاحب ڈیرہ دون

خواہشوں کو اپنی ہستی کا نشاں سمجھا تھا میں
اِس زمیں کی پستیوں کو آسماں سمجھا تھا میں

غمزدہ دُنیا میں کی مَیں نے مسرت کی تلاش
تھی خوشی دِل میں مرے لیکن کہاں سمجھا تھا میں

بند کی جب آنکھ تو دیکھا یہاں کچھ بھی نہ تھا
دم زدن کی زِندگی کو جاوداں سمجھا تھا میں

قدر و قیمت اب ہوئی معلوم کانٹوں کی مجھے
ورنہ پھولوں ہی کو زیبِ گلستاں سمجھا تھا میں

چھین لی اِس دہر میں خوشدل کی جس نے خوشدلی
اُس غمِ دِل کی ضعیف و ناتواں سمجھا تھا میں

قطعات

دیوان پنڈی داس قمر برندابن نواسی

جذبات بھی ہو جاتے ہیں اَوروں کے حوالے
بہتر تو یہی ہے کہ خدا غرض نہ ڈالے
گر غرض کبھی ڈالے تو کسی اہلِ وفا سے
جیسے کہ سُداماں کو مِلے بنسری والے

من مانگ مہنگے کیے اور سستا کیا اناج
تاہیں تے پرکھ جانیے بڑا غریب نواز

میں اصولِ رزق میں قائل نہیں تدبیر کا
سامنے آ ہی گیا ٹکڑا میری تقدیر کا
اے قمر تو شکر کر مہمان اپنا دیکھ کر
رزق اپنا کھا رہا ہے کالب میں تیرے بیٹھکر

دردِ پنہاں کو کسی صورت عیاں کیونکر کروں
جو مجھے تکلیف ہے اُس کا بیاں کیونکر کروں
کھولدے بابِ اجابت ایک ہی آواز پر
اپنے مُنہ میں با اثر پیدا زباں کیونکر کروں
جب اُسے خود بخشنے کو پاپیوں کا ہے خیال
سوچتا ہوں میں درِ دربار پر آہ و فغاں کیونکر کروں
کاش دُھل جائے تیرے الطاف سے فردِ گناہ
میں تیری سرکار میں آنسو رواں کیونکر کروں
مہربانی ہو قمر نادار پر سنکٹ ہرن
مائلِ الطاف تجھکو مہرباں کیونکر کروں

پیغمبرِ انسانیت

باپو گاندھی

از ڈاکٹر شانتی سروپ شرما جرنلسٹ کورو کشیتر

۲؍ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو سرزمین ہند پر روشنی کا سورج طلوع ہُوا۔ وہ اہنسا کا اوتار اور انسانیت کا علمبردار تھا۔ جس میں بجلیاں بھری ہوئی تھیں۔ کتنا ثابت قدم تھا وہ کہ بڑے بڑے طوفان اُٹھے، بجلیاں چمکیں زلزلے آئے مگر وہ اپنی جگہ پر ثابت قدم رہا۔ جتنا زیادہ پریشانی میں اُسے ڈالا گیا اُتنا ہی کامیابی سے وہ آگے بڑھا۔ اُس نے نفرت کو محبت سے جیتا۔ حق پرستی کو پالیسی پر ترجیح دی۔

بھگوان بُدھ کے بعد اہنسا کا اتنا عظیم علمبردار آج تک پیدا نہیں ہُوا۔ یہ فخر صرف سرزمین ہند کو ہی حاصل ہے۔ جس نے گاندھی جیسے عظیم انسان کو جنم دیا جو روشنی کا مینار بن کر سارے سنسار میں چمکتا رہا اور جس کی تعلیم آج بھی دُنیا کو شانتی کا پیغام دے رہی ہے۔ ستیہ اور اہنسا کا پرچار بھگوان بُدھ، حضرت عیسےٰ نے بھی کیا مگر گاندھی کے فلسفۂ عدم تشدد میں نرالی بات یہ ہے کہ اس نے ستیہ اور اہنسا کے سُنہری اصول کو سماجک اور سیاسی اُنتی دونوں کے لئے استعمال کیا۔ اور اسی فلسفہ کی بدولت آزادی جیسی نعمت اُس نے ہمیں بخشی۔

گاندھی جی بھاری انقلابی تھے جنہوں نے دُنیا کی تاریخ میں پہلی بار عدم تشدد کے انوکھے ہتھیار سے دُنیا کی ایک ایسی عظیم طاقت کو شکست دی۔ جن کا یہ دعوےٰ تھا کہ اُن کی سلطنت میں کبھی سُورج غروب نہیں ہوتا۔

کیا یہ ایک معجزہ نہیں تھا کہ ایک پچھڑی ہوئی قوم کو جو عرصہ سے غلام بنی چلی آ رہی تھی۔ جس میں احساس کمتری پیدا ہو چکا تھا۔ خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر دُنیا کی آزاد قوموں کی صفوں میں لا کھڑا کر دیا۔

یُوں جیسے باپو کا مذہب محبت تھا۔ وہ کسی سے نفرت نہیں کرتا تھا۔ جو اُس سے جتنی دُشمنی کرتا تھا وہ اُس سے اُتنی ہی محبت کرتا تھا۔ دُنیا کے کسی انسان کو غیر نہیں مانتا تھا مندروں میں بیٹھ کر قرآن کی آیتیں پڑھتا تھا۔ مسجدیں بیٹھ کر گیتا کے شلوک پڑھتا تھا۔ وہ دھارمک تھا فرد لیکن مگر یگیو پویت نہیں پہنتا تھا۔ تلک نہیں لگاتا تھا مگر رام دھن لگاتا تھا۔ سجدہ نہیں کرتا تھا مگر سورہ فاتحہ کی تلاوت ضرور کرتا تھا۔ مذہبی ہندو اور مسلمان اُس سے ناراض ہو جاتے تھے۔ مگر اس کا فرمان تھا کہ سب مذہب محبت کا پیغام دیتے ہیں۔ اُس کا مذہب انسانیت تھا۔ اُسے تمام مذاہب کی اچھائیوں سے پیار تھا۔ اُس کا وشواس تھا کہ تمام مذاہب کا ایک ہی اصُول ہے۔ اس لئے وہ اپنی پرارتھنا سبھاؤں میں وید اُپنشد کے اشلوک، قران کی تلاوت اور بائیبل کے اچھے وچاروں کا پرچار کیا کرتا تھا۔

باپو گاندھی ہندوستانی نہیں بلکہ خود ہندوستان تھے۔ فردِ واحد نہیں بلکہ مجسم قوم تھے وہ ملک کی نبض کو خوب

پہچانتے تھے۔ سب کے دلوں کی دھڑکن کو وہ بھلی پرکار جانتے تھے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ بے چینی کی جڑ نفرت ہے انہیں صرف اپنی رُوح کی شانتی نہیں چاہیے تھی بلکہ چالیس کروڑ بھارتیوں کی آزادی ہی اس کی رُوح کو شانتی دے سکتی تھی۔ باپُو کی زندگی ایک آدرش تھی خلوص اور پاکیزگی کا سرچشمہ تھی۔ ایسے انسان صدیوں میں پیدا ہُوا کرتے ہیں۔

سورگیہ باپو نے ایک ایسے وقت میں دیش کی باگ ڈور سنبھالی جب چاروں طرف گھور اندھیرا چھایا ہُوا تھا۔ انگریزی تاناشاہی دندنا رہی تھی۔ انقلابیوں نے تشدّد کے ذریعے انگریزی حکومت کا تختہ اُلٹنے کی پُوری پُوری کوششیں کیں مگر ناکامیاب رہے۔

آخر ۱۹۱۵ء میں موہن داس کرم چند گاندھی نے افریقہ سے لوٹ کر اپنے مُلک کی نبض کو ٹٹولا اور یہ محسوس کیا کہ انگریزی حکومت کے خلاف عدم تشدّد کی لڑائی سے مُلک کو بیدار کر کے انگریزوں کو یہاں سے وداع کیا جا سکتا ہے۔ آخر گاندھی نے مُلک کی رہنمائی کا بیڑا اُٹھایا۔ کانگرس جو صرف اصلاحات پاس کرنے والی باڈی تھی کو از سرِ نو تنظیم کیا اور عدم تشدّد کے نرالے ہتھیار سے جنگ آزادی کا اعلان کر دیا دیش کی سوئی ہوئی قسمت جاگ اُٹھی اور ایک نئے جوش کے ساتھ مُلک کے نوجوان آگے بڑھے۔

دُنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ آج تک جتنے بھی سیاسی انقلاب دُنیا میں آئے ہیں وہ تشدّد کے ہی راستہ سے آئے ہیں۔ خون کی ندیاں بہائی گئیں اور لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا تب کسی دیش کو آزادی نصیب ہوئی۔ مگر گاندھی کے انوکھے فلسفہ ستیہ اور اہنسا نے دُنیا کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا۔

اور خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر انگریزی حکومت کو اپنا بوریا بستر باندھ کر جانا پڑا۔ کیا یہ ایک سنیاسی کا کرشمہ نہیں ہے؟ رشیوں کے تذکروں میں کئی بار ایسا ذکر آیا ہے کہ فلاں رشی نے فلاں راجہ کو شراپ دے دیا وہ پورا ہو گیا۔ اسی طرح گاندھی نے بھی سنہ ۱۹۴۲ء میں انگریزوں کو بھارت چھوڑ جانے کا شراپ دے دیا وہ پورا ہو گیا اور جس کے نتیجہ کے طور پر ۱۵۔ اگست سنہ ۱۹۴۷ء کو انگریزوں کو یہاں سے جانا پڑا۔

ہزاروں سالوں سے چھوت چھوت کی لعنت کو بھگانے کا سہرا بھی گاندھی جی کے سر ہے۔ دھرم ادھرم کا روپ دھارن کئے ہوئے تھا۔ انسان کو انسان سے نفرت تھی۔ اچھوتوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا گو اس لعنت کے خلاف کئی ریفارمروں نے آواز اٹھائی مگر آخر میں جیت باپو گاندھی کی ہوئی۔ اور اس لعنت کو دور کر کے ہندو سماج میں بھاری انقلاب پیدا کر دیا۔ نفرت کو محبت میں تبدیل کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہریجنوں کو زندگی کے ہر پہلو میں برابر آگے بڑھنے کے پورے پورے مواقع حاصل ہیں۔

مُلک کی آزادی کے بعد باپو کے دماغ میں رام راجیہ کا ایک سنہری نقشہ تھا وہ بھارت کو ایسا دیش دیکھنا چاہتے تھے جہاں اونچ نیچ کا کوئی بھید نہ ہو امیر غریب کی کوئی تفریق نہ ہو۔ ہر آدمی کو روٹی کپڑا اور مکان کے مفاد یکساں ہوں اس سپنے کو پوجیہ باپو اپنے سینے میں لے کر شہید ہوئے۔

آؤ آج باپو کے اس جنم دن پر پرتگیا کریں کہ ہم گاندھی کے اس آزاد دیش میں آرتھک اور سماجک انقلاب لا کر غریبی اور جہالت کو دور بھگا دیں گے۔ دُنیا کے اس دور میں جبکہ وہ اس وقت وناش کے جوالا مکھی پر کھڑی ہے گاندھی کے فلسفہ ستیہ اور اہنسا کے ذریعے دُنیا میں امن اور شانتی قائم کریں۔ تبھی ہمیں گاندھی جی کا آشیرواد پراپت ہو سکتا ہے۔ اور انسانیت کی صحیح خدمت ہو سکے گی۔

دیش پتا مہاتما گاندھی

از جناب: روشن پیٹیالوی بی۔ اے

عظمتِ قوم کا تابندہ نشاں تھا گاندھی
قالبِ قوم میں اک روحِ رواں تھا گاندھی

پھونک کر روح کیا مُردوں کو زندہ اُس نے
سچ تو یہ ہے کہ مسیحائے زماں تھا گاندھی

قابلِ قدر ہیں قربانیاں اس کی اے دوست
نازشِ بزمِ وطن، فخرِ جہاں تھا گاندھی

جملہ اوصاف کا مجموعہ تھی اُس کی ہستی
خوش دہن، شیریں زباں، جادو بیاں تھا گاندھی

دشمنِ جنگ تھا وہ امن کا دل سے خواہاں
موجبِ راحتِ ہر اہلِ جہاں تھا گاندھی

روز و شب رہتا تھا تعمیرِ وطن میں مصروف
جسمیں جرأت ہو غضب کی نہ جواں تھا گاندھی

بیکسوں اور غریبوں کا محافظ تھا وہ
بے زبانوں کی یتیموں کی زباں تھا گاندھی

ہستیٔ جور کو دُنیا سے مٹایا اس نے
خرمنِ کفر کو اک برقِ تپاں تھا گاندھی

ناخنِ عقل سے کی عقدہ کشائی اُس نے
واقعی سچ ہے ارسطوئے زماں تھا گاندھی

حق نے بخشا تھا اسے جوہرِ ایثار و وفا
جس کی بنیاد تھی پردہ مکاں تھا گاندھی

ذات پر اس کی بجا طور سے ہے فخر ہمیں
زینتِ ملک تھا سرمایۂ جاں تھا گاندھی

اس کے آگے تھا جگر آب جوانمردوں کا!
شیر بھی جس سے تھے لرزاں وہ جواں تھا گاندھی

تیرگی جہل و بطالت کی مٹی سب روشنؔ!
روشنیٔ حق کی وہاں پھیلی جہاں تھا گاندھی

ہندو دھرم

از قلم مہرشی شیوبرت لال جی ورمن ایم ۔ اے

سوال کیا جاتا ہے ۔ ہندو مذہب کیا ہے ؟ تم کس کو ہندو کہتے ہو ۔ ہندوؤں میں ویدوں کے ماننے والے ہیں جو ایک ادویتہ ایشور کی اُپاسنا کی تعلیم دیتے ہیں ۔ ہندوؤں میں ویدانتی ہیں ۔ جو سوا برہمہ کے کسی کے قایل نہیں ہندوؤں میں چارواک ہیں جو ایشور ۔ وید ۔ کرم دہرم ۔ لوک پرلوک کسی کو نہیں مانتے ۔ ہندوؤں میں بودھ ہیں جو صرف پاکانہ زندگی بسر کرنے کا وعظ سناتے ہیں ۔ جینی ایسے ہندو ہیں ۔ جو صرف مکمت جیؤں کو ایشور کہتے ہیں ۔ جو ان کی تعریف کے موافق سردیاپک نہیں ۔ ہندوؤں میں راما نج سنپرداوالے وسشٹ ادویت کے قائل ہیں ۔ ہندوؤں میں شنکر کے مقلد ادویت بھاد کی صدا بلند کرتے ہیں ۔ ہندوؤں میں مادھو اچاریہ کے شاگرد دویت ادویت کے قایل ہیں ۔ ہندوؤں میں بلبھہ آچاریہ کے پیروکار شدہ ادویت کا راگ گاتے ہیں ۔ ہندوؤں میں کبیر صاحب نانک صاحب رادھا سوامی صاحب کے چیلے خاص قسم کی تعلیم دیتے ہیں ۔ آستک ۔ ناستک ۔ سب ہی اپنے آپ کو ہندو کہتے ہیں ۔ کیا یہ سب ہندو ہیں ؟ کیا ہندو دہرم اجتماع ضدین کا طریق ہے ؟ آخر یہ کیا ہے ؟ اس سے ہم کیا سمجھیں ؟ یہ سوالات ہیں جو آجکل نادان رشی سنتان کی زبان پر رہتے ہیں ۔ مگر وہ بالعوض اس کے کہ سچائی کو سمجھتے اور اصلیت دریافت کرتے مذاق اور تمسخر سے کام لیتے ہیں اور گمراہی کے گہرے خندق میں گرے جا رہے ہیں +

ہندو دہرم کیا ہے ؟ ہندو دہرم دُنیا کا سب سے مکمل مذہب ہے ۔ جس میں کسی پہلو سے کمی نہیں ہے ۔ اور جس میں ہر قسم کے خیالات جن کا انسان کے دل و دماغ سے تعلق ہے موجود ہیں ۔ اس کی حیثیت ایک بہت بڑے سمندر کی ہے ۔ جس میں کوڑی ۔ شنکھ ۔ موتی ۔ رتن وغیرہ سب کچھ ہیں تاکہ جس شخص کو قدرت نے جس قسم کی طبیعت و عقل عطا کی ہے ۔ وہ اُسی کے موافق اس میں سے اپنے لیئے ضرورت کا سامان تلاش کرے ۔ ہندو دھرم کی یہ خوبی ہے ۔ کہ وہ اپنے دروازہ سے کسی شخص کو محروم نہیں کرتا اور بڑی دریا دلی سے ہر ایک کے درس تدریس ۔ اور مذہبی میلان کے سامان اکٹھا کر دیتا ہے ۔ یہ بات دُنیا کے کسی مذہب میں نہیں ہے ۔ اور سبب ظاہر ہے ۔ یہ مکمل طریق نہیں ہے ۔ کچھ نہ کچھ سب میں کمی ہے ۔ سب کے لیئے اِن میں گنجایش نہیں ہے سوال کیا جائیگا ۔ یہ دہرم کیا ہوا یہ تو ایک طرح کا معجون مرکب ہے ۔ اس قسم کے سوال کرنیوالوں سے میرا یہ سوال ہوگا ۔ کہ جب ایک لباس ہر شخص کے جسم میں نہیں آسکتا ۔ اور نہ ہر شخص موزونیت کے ساتھ اس کو پہن سکتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ عقلی و دماغی قوتوں کی کمی بیشی کے نقص کی موجودگی میں ایک ہی مذہبی خیال ہر شخص کو روحانی ترقی کا مفاد بخش سکے ۔ بچہ کی عقل بچوں ہی کی طرح ہوگی اُن کا مذہب بھی بچوں کا سا مذہب ہوگا ۔ نوجوانوں کی عقل نوجوانوں کی طرح ہوگی ۔ اِن کا مذہب بھی نوجوانوں کا

طریق ہوگا۔ ہزار کوشش کیا جائے۔ لڑکے جوان بڈھے کبھی سب کے سب عقل و دماغ کے لحاظ سے ایک ہی طبقہ پر نہ بٹھائے جا سکیں گے۔ لڑکے طبعاً چلبلے ہوتے ہیں نوجوان قدرتاً منچلے ہوتے ہیں۔ بوڑھے فطرتاً سنجیدہ مزاج ہوتے ہیں۔ کیا سب کے طرز خیال۔ طرز عمل، طرز فکر میں جامعیت آ سکتی ہے؟ یہ فضول خیال ہے۔ اسی طرح انسانی گروہ میں ہزاروں پیر نابالغ ایسے ملیں گے۔ جن کے جذبات بالکل بچوں کے سے ہیں لاکھوں ایسے نظر آویں گے جنہوں نے جوانی طبقہ سے کچھ ہی زیادہ عقلی و دلی نقطہ نگاہ سے ترقی کی ہے سینکڑوں ایسے ہیں جو ابھی دلی جذبات کے سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ ایسی حالت کی موجودگی میں سب کے لئے ایک ہی اصول کی تلقین کیسے مقرر کی جا سکتی ہے۔ اختلافات کی دنیا میں کیسے ممکن ہے۔ کہ مختلف الحالی، مختلف الخیالی کا خیال معدوم کیا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ دور اندیش رشیوں نے ہندو دھرم کے سلسلہ میں اس قسم کا انتظام کیا ہے کہ ہر کس و ناکس کو مذہبی مفاد حاصل کرنے کا موقع ہاتھ آوے اور کوئی شخص یہ نہ کہے کہ یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے۔ میں اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا ہوں۔

ہندو مذہب کی مختلف الخیالی دراصل روحانیت کے بام کے سینکڑوں زینے ہیں۔ جس کی نگاہ جتنی اونچی ہے۔ جس کی تمیز و ادراک کی طاقت جتنی بڑھ گئی ہے۔ وہ اسی اندازہ سے اُس کا نفع حاصل کرے اور بتدریج فائدہ حاصل کرتا ہوا برابر ترقی کرتا جائے۔ اور آخر میں زندگی کے بڑے مقصد کی تکمیل کر لے۔ یہ وجہ ہے کہ ظاہری طور پر ہندوؤں میں اس کثرت کے ساتھ مذہبی اختلافات موجود ہیں۔ اس کے سوا اور کوئی سبب نہیں ہے۔

اختلافات دنیا کی جان ہے۔ ایک قوم دوسرے سے مختلف ہے۔ ایک عضو دوسرے سے نہیں ملتا۔ ایک ہی شاخ کے تمام پتے یکساں نہیں ہوتے۔ ایک ہی ہاتھ کی تمام انگلیاں برابر نہیں دیکھی جاتیں۔ ایک باپ کے تمام لڑکے مختلف الجذبات کے انسان ہوتے ہیں۔ دنیا میں ایک ہی قسم کا غلہ نہیں پیدا ہوتا۔ ایک ہی طرح کا پانی ہر جگہ کا نہیں ہے۔ نہ ایک طرح کی ہوا ہے۔ سوچنے دیکھنے غور کرنے کے طریقے الگ الگ ہیں۔ ایک سوال میں مختلف پہلو ہوتے ہیں۔ جس کی نگاہ جس پہلو سے مطابقت رکھتی ہے۔ وہ صرف اسی کو دیکھ سکتا ہے۔ مزاج جداگانہ ہیں طبیعتیں جدی جدی ہیں۔ ایک ہی مرض کے لئے مزاج سکونت اور آب ہوا کے لحاظ سے مختلف ادویات بتائی جاتی ہیں یہ ہمارا اور تمہارا روزانہ زندگی کا تجربہ ہے۔ پھر ذرہ سوچو تو سہی۔ مذاہب میں کیسے یکسانیت ہو سکتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں میں مذہبی اختلافات کے اتنے شعبے موجود ہیں۔ یہ بالکل قدرت کے موافق ہیں۔ اور یہ سب مل کر ہندو مذہب کو مکمل محیط کل اور سرودیاپک بناتے ہیں۔ جس کو تم ہندو مذہب کا نقص سمجھتے ہو وہ دراصل اُس کا کمال ہے۔ نظر کو وسیع کرو۔ اور تم سچائی کو دیکھ سکو گے۔

تم کہو گے اگر یہ صحیح ہے تو پھر ناستکوں کو کیسے ہندو کہا جا سکتا ہے کیونکہ وہ ایشور کی ہستی تک کے قائل نہیں ہیں۔ میں کہوں گا۔ اگر وہ ایشور کو نہیں مانتے تو ہرج کیا ہے۔ ابھی عقل کے اُس زینہ پر نہیں پہونچے جس پر چڑھ کر ایشور کا درشن کیا جاتا ہے۔ ان کو اپنی ہی کہنے دو۔ ہندو مذہب نے ایسا سامان پیدا کر دیا ہے کہ وہ

اپنے ہی طریقہ پر سوچتے سمجھتے ہوئے کسی وقت اس کو ساکشاتکار کرنے کے قابل ہو سکینگے۔ چمگادڑ کہتا ہے سورج نہیں ہے نہ سہی۔ اُس کو سورج کے دیکھنے کی آنکھ عطا نہیں ہوئی۔ مگر اس میں زندگی ہے۔ زندگی کی ترقی کے سلسلہ میں جب اُس کی آنکھوں کو زیادہ روشنی برداشت کرنے کی طاقت آ دیگی۔ وہ کسی وقت خود دیکھ لیگا کہ سورج کوئی چیز ہے یا نہیں۔ تم کو کیا استحقاق ہے کہ اُس کو زندگی سے محروم کرنا چاہتے ہو ضرورت تو اس بات کی ہے کہ جس طرح جیسے سامان کے ساتھ اس کی پیدائش ہوئی ہے۔ اس کو آہستہ آہستہ اُسی سامان کے ساتھ ذرہ آگے بڑھنے کا موقع دیتے جاؤ۔ ایک دن اُس کا انکار اقرار سے تبدیل ہو جاویگا۔ اور ہندو مذہب اِس ناستک کو بھی اپنے مفاد سے محروم نہیں رکھتا اور تجربہ کہتا ہے کہ اکثر ناستک سوچ وچار کرتے کرتے خود آستک بن گئے اور ایشور کے بھگتوں کی فہرست میں اُن کا نام داخل کیا گیا

جینی کسی خاص ایشور کو نہیں ملنتے۔ مگر روحانی ترقی کے سلسلہ میں وہ انبھو کرتے ہیں کہ بعض اِنسان ترقی کرتے کرتے ایشور کوٹی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ مانا تمام دکمال وہ اصلیت کو نہیں سمجھتے۔ مگر اِس میں ہرج کیا ہے۔ جین مذہب اصلیت تک پہونچنے کا ایک خاص طرح کا زینہ ہے۔ اِسی طرح بُدھ مت والوں کو شخصی ایشور کی ہستی سے انکار ہے۔ مگر جو لوگ بُدھ کی پاک اور پارسیانہ زندگی سے واقفیت رکھتے ہیں کہ اُن کو اُس کی ذات میں وہ خوبیاں نظر نہیں آتیں جو ایشور سے مخصوص کی جاتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آخر میں اس بُدھ کو ہندو اوتار کی طرح مانینگے۔

منزلِ مقصود تک پہونچنے کی راہیں بے شمار ہیں۔ کوئی دکن کی طرف سے چلتا ہے۔ کوئی پچھم کی طرف سے آتا ہے۔ کسی کی راہ پُورب کی سمت سے آتی ہے۔ کوئی اُتر سے اُس کی طرف چلا ہے۔ یہ سب منزل مقصود کی طرف چلے آرہے ہیں۔ اُن کے راستے الگ الگ ہیں۔ اُن کے راستوں کے نظارے الگ الگ ہیں۔ کسی کی راہ میں جنگل پہاڑ پڑتے ہیں کوئی ہموار میدان سے آتا ہے۔ کوئی کشتی پر چڑھا ہے۔ کوئی گھوڑے پر سوار ہے۔ کسی کے پاس زیادہ ساز و سامان ہے کوئی مانگتا کھاتا ہوا آرہا ہے۔ ان میں سے کوئی مریض ہے۔ کوئی صحیح الجسم ہے۔ سب کے حالات ایک سے نہیں ہیں اور نہ کبھی ہو سکتے ہیں۔ مگر رُخ سب کا منزل کی طرف ہے۔ ہندو مذہب اس کو جانتا ہے۔ اور سب کو تحریک اور ترغیب کی صدا سُنا سُنا کر کہتا ہے "بیدار ہو اُٹھو چلو۔ اور جب تک منزلِ مقصود پر نہ پہونچ لو تب تک چین نہ لو۔ اور نہ راہ میں ٹھہرنے کا خیال کرو۔ یہ خوبی تم کو کہاں ملیگی۔ یہ بات صرف ہندو مذہب میں ہے۔ اور کسی میں نہیں ہے۔

ہندو مذہب بربادی کا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ درستگی۔ زندگی ترقی اور تسلی کا طریق ہے۔ اس کو اس تلوار کے ہاتھ لگانے سے گریز رہا ہے۔ جو سوار ایک خاص طریقہ کے پیرو کاروں کے دوسروں کو موت کے گھاٹ اُتارتی رہتی ہے۔ ہندو مذہب تعصب سے بری ہے۔ وہ نہیں کہتا کہ سچائی صرف ہماری ہی میراث ہے بلکہ وہ اوروں میں جزدی سچائی کو دیکھ کر خوش ہو جاتا ہے۔ اور اُن کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے اُن کا حوصلہ بڑھاتا رہتا ہے۔ ہندو مذہب میں ہٹ دھرمی نہیں ہے وہ یہ نہیں کہتا کہ تم زبردستی خواہ مخواہ کسی عقیدہ پر ایمان لاؤ۔ وہ پرماتما کو سب کچھ اور سب میں سمجھتا ہے۔ اور سب کو جائز عزت دینے کے لئے تیار رہتا ہے۔ یہ ہندو مذہب ہے +

اور تم دیکھتے ہو کہ ہندو مذہب کے اس اعلےٰ آزادی اور زبردست درگذر اور آزادلپندی کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ اس میں ہر قسم کے مذہبی خیالات اور روحانی اصول کمل حالت میں نظر آتے ہیں۔ جن مرحلوں سے ابھی دُنیا کے خاص خاص مذاہب کو گذرنا ہے وہ سب ہندوؤں میں تمام وکمال اپنے اصلی آب وتاب میں موجود ہیں۔ ہندو مذہب میں ادویت واد کا ذکر جس زوردار لہجہ میں کیا گیا ہے۔ وہ دوسری اس قسم کے مذاہب میں نام کو بھی نہیں۔ ہندو مذہب میں ادویت واد اور سچی وحدانیت کی جو تعلیم دی گئی ہے اس کے جذب کرنے میں دُنیا کے دوسرے ایسے مذہبوں کو صدیاں لگیں گی۔ الغرض مذہب کے کسی پہلو کو دیکھو اس میں تمام وکمال موجود ہے۔ باوجود اس کے کہ آجکل کے زمانہ کو تہذیب پر اس قدر ناز ہے مگر کیا اس ترقی کے زمانہ نے ہمارے مذہبی فلسفوں کی طرح اب تک کسی نے مکمل فلسفہ کے پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے؟ کبھی نہیں جو شخص ایسا دعوےٰ کرے وہ جھوٹا دعوےٰ ہے۔ مادہ پرستوں میں ابتک چارواک کی شخصیت کا ایک آدمی بھی پیدا نہیں ہوا۔ اور میڈم بلیوٹسکی سچ کہتی ہے۔ کہ اگر اس وقت چارواک موجود ہو تو ہربرٹ سپنسر اور ہکسلے سے اہل دماغ اُس کی شاگردی کا فخر کرتے۔ وحدانیت کے سمجھنے والوں میں کہاں کسی نے شنکر اچاریہ کی ایسی اعلےٰ اور زبردست شخصیت پیدا کی اور جرمنی کا مشہور فلاسفر شوپنہار اس اقرار میں حق بجانب ہے۔ کہ اُپ نشدوں سے بہتر خیال کا اظہار کہیں بھی سامان نہیں ہے۔ اور وہ دُنیا میں ہمیشہ عزت اور تعظیم کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ یہ ہندو مذہب کی خوبی اور بزرگی ہے۔

تم کہو گے۔ کیا بُت پرستی بھی ہندوؤں کا طریق ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ ہندوؤں کو جو شخص بُت پرست کہتا ہے وہ سخت نادان اور غلط کار ہے۔ اُس نے ہندو مذہب کو نہیں سمجھا۔ کہاں کوئی ہندو مورتی کے سامنے کھڑا ہو کر یہ کہتا ہے کہ "اے مورتی! تو پتھر سے بنی ہے۔ تجھ کو بُت تراش نے کاٹ کر گڑھا اور ایسی خوبصورت بنائی ہے" وہ تو ہمیشہ یہ پرارتھنا کرتا ہے۔ "بھگوان! تو اپرم پار ہے۔ تیری مہما کوئی نہیں جانتا تو انتریامی ہے۔ سرب شکتیمان ہے؟ ذرا غور کرنے سے خود بخود اس اعتراض کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

ہندوؤں میں مورتی صرف ایک چہنہ کی طرح استعمال ہوتی رہی ہے۔ تاکہ اس کے سہارے دِلی جذبات کو یکسو ہونے کا موقع ملے۔ جو لوگ اور طرح پر دل کی وربتوں کو نہیں روک سکتے تھے۔ ابتدائی مرحلہ میں اس کو اپنا سہارا بناتے تھے۔ بعد کو اس سے تعلق بھی نہیں رہتا تھا۔ ہیں ہندو ہوں مگر میں مورتی پوجا نہیں کرتا نہ اُس کا حامی ہوں۔ مورتی کا سہارا صرف وہ لوگ لیتے تھے جو عقل کے کثیف ہوتے تھے۔ جن کا خیال ذرہ اُونچا ہے وہ مادہ کے اِن کثیف چہنوں کو جواب دے کر خیالی سہارا لیتے تھے۔ کیونکہ یہ روحانیت کے بام پر چڑھنے کا دوسرا زینہ ہے۔ یہاں خیالی مورتی ہوتی تھی۔ کیونکہ جو شخص ایشور کو باپ ماں۔ راجہ۔ دوست۔ مالک کہہ کر یاد کرتا ہے۔ وہ بھی اصل میں اپنے دِل کے جذبات یکسو کرنے کے لئے ر

ایسی خیالی مورتی سامنے رکھتا ہے۔ بات ایک سی ہے۔ وہاں مادہ کا کثیف چنہہ ہے۔ یہاں مادہ کا لطیف چنہہ ہے۔ کیونکہ خیال پھر بھی مادہ ہی ہے۔ مادّہ سے زیادہ اس کی حیثیت نہیں ہے۔ ورنہ ایشور اصل میں نہ ماں ہے نہ باپ ہے نہ راجہ ہے۔ نہ دوست ہے۔ جو اس کو ماں باپ کہتے ہیں وہ بھی اس کو مورتی مان بناتے ہیں۔ اور اُن کے سامنے بھی انسان کی خیالی مورتی رہتی ہے۔ یہ روحانیت کا دوسرا مرحلہ ہے۔ آگے چل کر تیسرا مرحلہ جوگیوں کا آتا ہے۔ جس کے تعلیم پرتیاہار۔ دہارنا۔ اور دھیان میں دی جاتی ہے۔ یہاں بھی خیال کے لئے ایک نہ ایک مرکز قائم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ کوئی سمجھے بھی تو کس کو سمجھائے۔ یہاں تو محض اعتراض جمانے سے تعلق ہے۔ بھلا کوئی شخص مجھ کو یہ تو بتا دے کہ سرودیاپک کا دھیان کیسے ہو سکتا ہے کیسے کیا جا سکتا ہے۔ انسان کو اتنی عقل کہاں ہے کہ وہ اس سرودیاپک کے راز کو تو سمجھ سکے۔ آنکھیں بند کرو۔ یا تو تم محیط سمندر کو لہریں مارتے ہوئے انبھو کرو گے یا زیادہ سے زیادہ آکاش کا خیال کرو گے مگر آکاش بطور خود مادہ ہے۔ اس کی سرودیاپکتا صرف نسبتی ہے۔ ورنہ ایشور کی درشٹی سے وہ بھی محدود و غلیظ ہے۔ لوگ سمجھتے بوجھتے خاک نہیں اور ہندو دھرم پر نکتہ چینی کرنے کو مرے جاتے ہیں۔ دنیا کے تمام مذاہب جو ہندوؤں کو بُت پرست کہتے ہیں سخت گمراہ ہیں کیا وہ ایشور کے سمجھنے کے لئے کسی چنہہ کا سہارا نہیں لیتے؟ اپنے ارد گرد دیکھو۔ اور تم ان کو زیادہ بھولا ہوا پاؤ گے۔ یہ اس مختصر اعتراض کا جواب ہے۔ جس میں ہندوؤں کو بغیر سمجھے بوجھے مورتی پوجک بتایا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ خود مورتی پوجک ہیں۔

بغیر چنہہ کی مدد کے انسان کسی طرح دل کو قابو میں نہیں لا سکتا۔ چنہہ نہ ہو تو نہ دھارنا ہو گی نہ دھیان ہو گا۔ حرف بطور خود چنہہ ہیں کتاب بطور خود چنہہ ہیں یہ آپ تو علم نہیں ہیں مگر ان سے سلسلہ میں علم کا گیان ہوتا ہے ان کی جڑ کاٹ دو۔ پھر تم علم کیسے حاصل کر سکو گے۔ دنیا کے تمام کتاب پرست اہل کتاب اگر مورتی پوجک نہیں ہیں تو کیا ہیں وہ اپنی کتابوں کو لاکھ کلام الہٰی کہیں مگر کتابیں بہیا ہیں تو مورت کی مورت سے زیادہ ان کی وقعت نہیں ہے۔ برہمانڈ مورتی ہے۔ پنچ تتو مورتی ہیں۔ زمین و آسمان سب مورتی ہیں۔ ان کی جڑ کاٹ دو۔ اور پھر دیکھیں تو سہی تم کو کس طرح ایشور کا انبھو ہوتا ہے۔ یہ اعتراض تمام و کمال غلط ہے۔ اور اس کو ٹھہرنے کے لئے ذرہ بھی پاؤں نہیں ہے۔ بفرض محال ہندو اگر بُت پرست ہیں تو وہ اس طرح کے بُت پرست ہیں۔

آج کے یُگ کا یہ انسان

(از کوی لوک ناتھ جی دِل)

جسے نہ مندر کا سنمان | جسے نہ مسجد کا ابھیمان
جس کا کوئی دھرم نہ دین | جو خیرات کرے نہ دان
آج کے یُگ کا یہ انسان

جسے نہ پوجا پاٹھ کا دھیان | جسے نہ ہو نماز کا گیان
جسے نہ مقبروں سے ہو پیار | جسے نہ تیرتھوں کی پہچان
آج کے یُگ کا یہ انسان

یاد نہ ہو جس کو شمشان | بھولا جس کو قبرستان
سمجھے مالا کو جو ڈھونگ | تسبیح سے جس کا اپمان
آج کے یُگ کا یہ انسان

جو ہندو نہ مسلمان | جس کا دھرم نہ کچھ ایمان
جسے نہ گیتا سے ہو پیار | اچھا لگے نہ جسے قرآن
آج کے یُگ کا یہ انسان

بنے جو اپنے آپ مہان | کرے جو اپنے ہی گن گان
جس کا رام نہ کوئی رحیم | جس کا مالک نہ بھگوان
آج کے یُگ کا یہ انسان

مُنہ سے گائے ہری گن گان | بغل میں داب کے چھر کرپان
کرتا ہے سب کالے کام | پھر بھی کہلائے شریمان
آج کے یُگ کا یہ انسان

مل جائے جب بڑا استھان | رکت کرے چھوٹوں کا پان
جس سے پاتا ہے سنمان | اُنہیں کا کرتا ہے اپمان
آج کے یُگ کا یہ انسان

(دھارمک مضمون)

کلغی دھر شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کا جیون چرتر

از گیان چند رمپال جرنلسٹ ہوشیار پور

بھارت درش کے پراچین شہر پاٹلی پُتر (پٹنہ) میں سکھوں کی نادیں پادشاہی گورو تیغ بہادر جی براجمان تھے دیش کے پیار کے لحاظ سے اِن کو "ہند دی چادر" بھی کہا جاتا تھا۔ اِن کی استری کا نام ماتا گجری تھا۔ دونوں نیک خیال کے تھے اور بھگوان کے سچے بھگت تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ گورو جی باہر جانے لگے۔ اور جاتے ہوئے کہا۔ کہ ہمارے گھر میں بھگوان کی شکتی کا پرکاش ہوگا۔ چنانچہ عین منشیہ موقع پر ۱۶۔ جنوری سنہ ۱۶۶۶ء مطابق پوہ سُدی ساتویں سمت ۱۷۲۳ کے دِن چاند سا لڑکا پیدا ہُوا۔ گورو جی کے کہنے کے مطابق اِس کا نام گوبند رکھا گیا۔ اُن دِنوں بھیکم شاہ فقیر جو کہ ریاضت میں مشہور تھا۔ ایک دِن اپنے مریدوں کو کہنے لگا۔ کہ میں ایک خدا کے پیارے کے نیاز حاصل کرنے جا رہا ہوں۔ جب انہوں نے کہا۔ کہ واہ۔ ایک مومن ہوکر "ہندو" کے گھر جا رہے ہو۔ یہی ہے تمہاری مسلمانی؟ آخر اس نے کہا۔ کہ بھئی! مجھے خدا رسول کی طرف سے ایسا ہی "الہام" ہوا ہے۔ چنانچہ بھیکم شاہ اپنے ڈیرہ سے گورو جی کے گھر آیا۔ اور آتے ہی ننھے بالک کے درشن کرنے کو کہا۔ پہلے تو انہوں نے دکھانے سے اِنکار کر دیا تھا۔ پھر ایک سفید اور لمبی داڑھی والا نمازی خیال کرتے ہوئے بالک کو رومال میں لپیٹ کر اس کے ہاتھوں میں دے دیا۔ تب بھیکم شاہ نے الگ ایک کمرہ میں جا کر ایک "کونڈہ" جس میں پانی تھا اور دوسرا جس میں "دودھ" تھا دونوں آگے رکھ دیئے۔ تب گوبند جی نے دونوں پر ہاتھ رکھا۔ یعنی ان کی نگاہ میں ہندو مسلمان ایک جیسے ہیں۔ کوئی فرق نہیں۔ تب شاہ جی کو پوری تسلی ہوگئی اور بہت ہی خوش ہوا۔ اور گوبند جی کا معتقد بن گیا ..... اور واپس چلا گیا۔ اِس کے بعد گورو جی بھی باہر سے واپس آگئے۔ اور ننھے کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ رفتہ رفتہ گوبند جی بڑے ہونے لگے۔ اور وہ چھوٹی عمر میں ہی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تیر و کمان سے کھیلا کرتے تھے۔ اور ان کو ایسا کرنے کی خاطر جتھہ بندی (ٹولی) کرنا سکھاتے۔ اور خود روزانہ خوب ورزش کرتے ماتا گوجری نے گوبند جی کو دو سونے کے کڑے (کنگن) پہنائے ہوئے تھے۔ ایک دن ایک کڑا کھیلتے کھیلتے ہاتھ سے اُتر کر پانی میں گر پڑا۔ اور واپس آکر گھر میں آکر کہا۔ کہ کڑا پانی میں گر گیا ہے۔ ماتا نے کہا چلو بیٹا۔ مجھے وہ جگہ دکھاؤ؟ چنانچہ دونوں وہاں پانی کے قریب آگئے۔ اور آتے ہی دوسرا کڑا اُتار کر کہا۔ کہ ماتا جی! یہاں پر کڑا گر گیا ہے۔ گویا دونوں کڑے پانی میں گر گئے۔ اور کوئی پرواہ نہ کی۔ اور آپ کو بچپن سے ہی سونے چاندی اور مایا سے سخت نفرت تھی ..... اِن دِنوں دیش میں اورنگ زیب کا راج تھا۔ اور وہ بڑا ہی متعصب تھا۔ ہندو اس کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ وہ روزانہ کئی ہندوؤں کے جنیؤ (یگیو پوت) اور چوٹیاں کٹوا

کر رو ٹی کھاتا تھا۔ اور ساری طاقت مذہب اسلام کی تبلیغ پر صرف کیا کرتا۔ اورنگ زیب کے حواری حکومت کے رعب سے ایسا کر کے اپنی من مانی کرتے تھے۔ اس طرح ریاست کشمیر کے کشمیری برہمن اس کے ظلم وستم کی تاب نہ لاکر ایک جگہ شری امرناتھ سوامی کے مندر میں اکٹھے ہوئے۔ اور وہاں پورے چالیس یوم تک ہون یگیہ کیا۔ اور بھگوان سے پرارتھنا کی۔ کہ بھگوان ہماری موجودہ مصیبتوں کا حل کیجئے۔ آخر یگیہ کی پورن آہوتی کے بعد ان کا ایک وفد گورو تیغ بہادر کے پاس پہنچا۔ اور جا کر کہا۔ مہاراج! آپ ہی بڑے ہیں۔ ہم کو اس ظالم راج سے بچائیے۔ ہماری جان و مال کی حفاظت کیجئے۔ ہندو دھرم کو سخت خطرہ درپیش ہے۔ تب گورو جی نے ذرا سوچ کر کہا۔ کہ واقعی آپ دکھی ہیں۔ مگر اس وقت دیش کو بچانے کے لئے ایک مہان ویکتی کے بلید ان کی ضرورت ہے۔ پنڈت بچارے سوچ میں پڑ گئے۔ جان سب کو پیاری ہوتی ہے۔ پاس ہی گوبند جی بیٹھے سب باتیں سُن رہے تھے۔ انہوں نے اپنی توتلی زبان سے کہا۔ کہ مہاراج! آپ سے بڑھ کر اس وقت دیش میں اور کون سا ویکتی ہے؟ چھوٹا منہ اور بڑی بات کے مصداق گورو جی نے کوئی بُرا نہ منایا اور کہا۔ کہ اچھا! نو سال کا بچہ اور یہ جذبات؟ "مجھے منظور ہے" اس کے بعد گورو تیغ بہادر کو شاہی فرمان کے ذریعے دہلی بُلایا گیا۔ اور ان کو ہندو دھرم چھوڑ کر مسلمان بننے کے لئے مجبور کیا گیا۔ مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ اور اسی وجہ سے ان کو طرح طرح کے دُکھ دیئے گئے۔ مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری اور باقاعدہ ہر بات کا ٹکہ سا جواب دیتے رہے۔ آخر۔ بادشاہ نے ان کا سر تن سے جُدا کر دیا۔ اور وہ قوم کی خاطر شہید ہو گئے۔ (جہاں اب چاندنی چوک میں گوردوارہ سیس گنج بنا ہوا ہے۔) آخر۔ ان کی شہیدی کی خبر گوبند جی کو مل گئی۔ اور وہاں بیٹا بہت ہی دُکھی ہوئے۔۔۔۔ اور دل میں پکا عہد کر لیا کہ اب تو اپنا جیون مظلوں کو لنشٹ کرنے میں ہی لگا دوں گا۔ اور ہمت نہ ہاروں گا۔ بعد میں وہاں سے **آنند پور** (ہوشیار پور) میں آ گئے۔ اور وہاں آنند پور کی پہاڑیوں میں بھرمن کرتے رہے۔ اور اس علاقہ میں عرصہ تک جتھہ بندی کرتے رہے۔ اور دیش کے سنکٹ کا پرچار کرتے رہے۔ آخر ایک دن چنڈی دیوی (شکتی) کا یگیہ شروع کرایا۔ جس میں بھارت کے اوچیہ کوٹی کے وِدوان کاشی، متھرا۔ بندرابن۔ ہری دوار کے کرم کانڈی پنڈت بلوائے گئے۔ اس میں دُور دراز سے اور بھی کافی لوگ پہنچ گئے۔ تمام لوگ ہمت ہار بیٹھے تھے۔ اور کوئی ہندو قوم کا سچا ہتیشی نہ تھا رہی سہی کسر اورنگ زیب کے ظلم تشدد نے پوری کر دی تھی۔ غرضیکہ ہون یگیہ کی پورن آہوتی پڑی۔ تب گورو جی نے سب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سنو! اب ہندو قوم جو کہ بلا شبہ رشیوں کی اولاد ہے۔ پر مسلمان نے بڑا ظلم کر رکھا ہے۔ گویا ہندو قوم کا جینا حرام ہے۔ اگر اس کا کوئی لائحہ عمل اختیار نہ کیا گیا۔ تو ہندو قوم کا نام بالکل صفحہ ہستی سے مٹ جاویگا۔ ہے کوئی ہندو قوم کا سچا غمخوار جو اپنی جان قربان کر سکے۔ ایسا جوشیلا بھاشن دیا کہ سکوت کا عالم طاری ہو گیا۔ تب اتنی حاضری میں صرف پانچ ہندو نکلے۔ اور کئی دُودھ پینے والے مجنوں قربانی کے ڈر سے بھاگنے لگے۔ اور آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ گورو جی نے ان کو کہا۔ کہ مجھے تو "سروں" کی ضرورت ہے۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ مہاراج! ہماری خوش قسمتی ہے۔ جو اپنا یہ فانی سر پر گورو کے چرنوں میں لگے گا۔ تب گورو جی نے ان کی باری باری کڑی آزمائش لی اور ان کو کھنڈے سے امرت پلایا اور ان کے نام دیا سنگھ۔ دھرم سنگھ محکم سنگھ۔ زور آور سنگھ۔ ہمت سنگھ رکھا۔ اور ان کو سکھ (شش) بنا کر پانچ ککے (کچھ۔ کڑا۔ کیس کرپان۔ کنگھا) کی وردی (بانا) مقرر کر دیا اور وہی امرت چڑیوں کو پلایا۔ تو گورو شکتی سے انہوں نے بازوں

کو مار بھگایا۔ گویا گورو جی نے قومی سپرٹ کا انجکشن لگا دیا۔ اور خوش قسمتی سے اِس دن بیساکھی کا دن تھا۔ گورو جی نے اپنے پوتر ہاتھوں سے خالصہ پنتھ کو سجایا۔ اور اس کا نام "خالصہ دل" رکھا۔ اس کے بعد ہزاروں دوسرے لوگوں نے بھی دیکھا دیکھی اس فوج میں شامل ہونا منظور کر لیا۔ گویا ایک فوج ہی تیار ہو گئی۔ اور جہاں جہاں مسلمانوں کے صوبے ہندوؤں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ اُن پر حملہ کر کے اُن کو بھگا دیا کرتے تھے۔ جہاں یہ کارروائی عمل میں لائی گئی تھی وہاں اب بھی آنند پور صاحب میں ایک "چبوترہ" بنا ہُوا ہے۔ اور ساتھ ہی پانی کی ایک باؤلی ہے۔ شاندار گوردوارہ بھی ہے۔ اور پرسات میل اونچائی پر نینا دیوی کا مندر ہے۔ بعد میں ماچھیواڑہ میں مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کی گئی۔ اور ان کے دانت کھٹے کیے گئے۔ اس کے بعد چالیس سکھوں سے ایک جتھے کی مکتسر میں مُسلمانوں کے ساتھ مڈھ بھیڑ ہوئی اور کافی لڑائی ہوئی۔ آخر اس میں چالیس سکھ قوم کی خاطر لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کر گئے۔ ان میں ایک سکھ مہان سنگھ جو کہ پہلے گورو جی سے بے مُکھ ہو گیا ہُوا تھا وہ بھی مارا گیا۔ آخر تڑپتی ہوئی روحوں کے آخری وقت میں گورو جی نے ان کو آشیرواد دی۔ اور ان کو مُکت کیا اور مہان سنگھ کی گستاخی معاف کر دی۔ مُکتسر کے نام سے ایک تالاب بنا ہُوا ہے۔ جہاں شاندار گوردوارہ بنا ہُوا ہے۔ اور ماگھی کے دِن ایک بڑا بھاری میلہ لگتا ہے۔ اس کے بعد روپڑ انبالہ کے نزدیک چمکور کے قلعہ میں مغلوں سے جنگ ہُوئی۔ اس میں سکھ فوج نے کافی ہمت سے کام لیا۔ گورو جی نے اپنے دونوں لڑکوں کو جنگ میں لڑنے کی آگیا دی۔ اِس جنگ میں لڑتے لڑتے ایک لڑکے کو پانی کی پیاس لگی۔ تب اِس نے گورو جی سے پانی مانگا۔ مگر گورو جی نے کہا۔ کہ بیٹا۔ اب تو دُشمن کے خون سے ہی اپنا پیاس بجھاؤ۔ چنانچہ اس جنگ میں دونوں شوربیر مارے گئے۔ ادھر گورو جی کے دوسرے دونوں لڑکوں کو پکڑ کر سرہند میں لے گئے۔ اور ہندو دھرم چھوڑنے کیلئے کہا۔ اور کافی لالچ اور رعب دیئے۔ مگر انہوں نے ایک نہ مانی۔ آخر دونوں کو زندہ ہی دیواروں میں چنوا دیا گیا۔ بڑے لڑکے نے چھوٹے سے کہا۔ کہ تم خوش قسمت ہو۔ میں پیچھے رہ گیا ہوں تو عمر میں چھوٹا ہے۔ مگر مجھ سے پہلے شہیدی پراپت کر رہا ہے۔ الغرض دونوں ہی دیواروں میں چنوا دیئے گئے۔ ان ظالموں نے کوئی رحم نہ کیا۔ اور چاروں لڑکے ہندو قوم کی خاطر قربان ہو گئے۔ ماتا نے گورو جی کو کہا کہ ہمارے لال کہاں؟ تو گورو جی نے ہمت باندھ کر کہا۔ کہ دیکھئے یہ سب بچے آپ کے ہی بچے ہیں۔ انہیں اپنے بچے خیال کریں۔ علاوہ ازیں گورو گوبند سنگھ جی نے ہمت نہ ہاری۔ اور اپنا کام بدستور جاری رکھا۔ اور رفتہ رفتہ دُکھی جنتا آرام کا سانس لینے لگی۔ ظلم بھی آخر کب کسی کا ہمیشہ ساتھ دے سکتا تھا۔ آخر سنہ ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب اس دیش سے چلتا بنا۔ جو کہ بزور شمشیر ہندوؤں کو مُسلمان بنانے کا دعوےٰ دار تھا۔ تاریخ شاہد ہے۔ کہ مغل بادشاہوں میں سے اورنگ زیب جیسا ظلم ہندو قوم پر کسی نے نہیں کیا۔ اس نے تو اپنے باپ کو بھی قید کر رکھا تھا۔ اس کے بعد گورو جی آنند پور صاحب سے دکھن میں "ندھیڑ" کے استھان پر چلے گئے۔ وہاں جا کر اپنا ڈیرا لگا دیا۔ آگے گوداوری ندی کے تٹ پر لکشمن دیو بیراگی پونچھ (راجوری نواسی) ایک جگہ تپسیا میں مشغول تھا۔ گورُو جی نے اِس کو دیش کے سنکٹ دُور کرنے کے لئے اُپدیش دیا۔ اور اُسے اُپدیش دے کر وہاں سے پنجاب بھیجا۔ تب بندہ بیراگی نے اِدھر آ کر سرہند کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اور اس جنگ میں صوبیدار وزیر خاں مارا گیا۔ آخر اپنا کام سماپت کر کے گورُو جی نے ایک اگنی کُنڈ تیار کیا۔ اور اپنے چیلوں کو کہا۔ کہ اِس کے اندر کسی کو نہ

آنے دینا۔ اور نہ ہی بعد ہماری یادگار بنانا۔ اور شری گورو گرنتھ صاحب کو ہی تمام سکھ اپنا گورو مانیں۔ اور کسی کو نہ ماننا۔ اور آپس میں بلا مذہب و ملت محبت پریم سے رہنا۔ یہی منش ماتر کی سچی سیوا ہے۔ بعد میں وہاں دیکھا۔ تو کچھ بھی نہ پایا۔ وہ اگنی دیوتا میں پر دیش کر گئے۔ ادھر ایک سیوک نے ان کو باہر جنگل میں جاتے ہوئے گھوڑے پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اور ہاتھ میں نیزہ اور باز پکڑا ہوا تھا۔ سیوک نے سیس جھکایا اور انہوں نے اسے آشیرواد دیا۔ مگر ڈیرے پر آکر سُنا۔ تو حیران رہ گیا۔ اور جب اگنی کو دیکھا گیا۔ تو اس میں ایک کڑا اور ایک کرپان نکلی۔ جو کہ ان کی نشانی اب تک گوردوارہ میں پڑی ہوئی ہے۔ گویا گورو گوبند سنگھ جی کا پرلوک گمن۔ کارتک شُدی پنچمی سمت ۱۷۶۵ (۵ نومبر ۱۷۰۸ء کو ابچل نگر ندھیڑ میں ہوا۔ (جسے اب حضور صاحب بھی کہتے ہیں) بعد میں نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی نے کافی ظلم کیا۔ مگر مسلمانوں کے باہمی تعلقات بگڑ گئے۔ اور اس کا سکھوں نے فائدہ اُٹھایا۔ اور جنگل بیابانوں سے نکل کر میدان میں آکر اپنا ادھیکار بنالیا اور کافی دیر مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ ان میں ایک سردار چڑھت سنگھ کے پوتے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مغلوں پر فتح پاکر پنجاب میں خالص سکھ راج قائم کیا۔ اور شیر پنجاب کہلائے۔ جس کی تاریخ شاہد ہے گورو گوبند سنگھ جی نے ہندو قوم پر اور بھارت دیش پر ایک احسان کیا جس کو بیان کرنا مشکل ہی نہیں۔ بلکہ ناممکن سی بات ہے۔ علاوہ آپ نے دھارمک گرنتھ "دچتر ناٹک" بھی لکھا۔ جس سے سب جنتا نیضاب ہو رہی ہے۔ اور یہ آپ کے ہی واک ہیں۔ کہ چڑیاں سے باز لڑاؤں۔ تبھی گوبند سنگھ نام دھراؤں۔

(دوہرہ)

میں ہی پرم پُرکھ کا داسا + دیکھن آیو جگت تماشا

گُرو جی نے دُنیا کے لوگوں کو راستی اور سچائی کا راستہ دکھایا۔ اگر تمام سکھ صاحبان گورو جی کے بتائے ہوئے راستہ پر چلیں تو موجودہ وقت کی تمام فرقہ داریاں اور مذہبی جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔

رشکِ جہاں

بیتاب علی پوری ادیب فاضل (سونی پت)

ہر ایک ذرے کو خورشید تم بنا کے چلو
قدم قدم پہ چراغ وفا جلا کے چلو

اُٹھو اُٹھو کہ زمانہ پکارتا ہے یہی
چلو اے فخرِ وطن سر کو تم اُٹھا کے چلو

وہ وطن میں ہیں کچھ خار بغض و نفرت کے
نفاق و کینہ و نفرت سبھی مٹا کے چلو

یہ زیست کیا ہے کہ آئے بھی اور چلے بھی گئے
جو آئے دہر میں کوئی تو گل کھلا کے چلو

پیام امن زمانے کو دے چلو بیتاب
کہ اپنے ہند کو رشکِ جہاں بنا کے چلو

حقیقت

از بیتاب علیپوری ادیب فاضل سونی پت

اک ذرہ دنیا ہوتا ہے
اک قطرہ دریا ہوتا ہے

جو درد جہاں کو دیتا ہے
خود آ کے مسیحا ہوتا ہے

اِنسان کے بیخود ہونے پر
دِل گرم تماشا ہوتا ہے

بس حسن و محبت میں ہمدم
پردہ کو ہٹانا ہوتا ہے

بیتاب کبھی اس دُنیا میں
غم غم کا مداوا ہوتا ہے

سکھ ہندو ہیں

(مہاشہ ست مہادی کے قلم سے)

یہ کون نہیں جانتا کہ سکھ مذہب اور سکھ بھائی ہندوؤں کے ہی گوشت پوست کا ایک حصہ ہیں۔ اس کے سنچالک دسوں گورو صاحبان ہندوؤں و کشتریوں کے گھر پیدا ہوئے اور کشتریوں میں ہی بیاہے گئے۔ ہندوؤں کے سُدھار کے لئے ہی اس تحریک نے جنم لیا۔ اور ہندو دھرم کی رکشا ہی اُنہوں نے اپنا نصب العین بنایا۔ کئی گورووں نے ہندو دھرم کیلئے اپنا بلیدان دیا۔ لیکن جب انگریز بہادر یہاں آیا تو اس نے ہندوؤں کی یک جہتی کو توڑنے اور اس میں انتشار پیدا کرنے کی کئی چالیں چلیں۔ سکھوں کو الگ کرنے کے حیلے بہانے ڈھونڈھے۔ ایک انگریز میکالف کو سنگھ بھی سجا دیا گیا۔ سکھوں میں سے کچھ ایسے آدمی مل گئے جنھوں نے اُن کے اشاروں پر یہ اعلان کیا کہ سکھ ہندوؤں سے ایک الگ فرقہ ہیں۔ ان کے لئے نوکریاں اور نیابتیں الگ مخصوص کر دی گئیں۔ آہستہ آہستہ یہ تحریک بڑھتی گئی۔ اب حالت یہ ہے کہ سکھ اپنے آپ کو ہندوؤں سے الگ سمجھنے لگ گئے ہیں۔ حالانکہ اِن کا کوئی سدھانت کوئی رسم و رواج ہندوؤں سے مختلف نہیں۔ ہندوؤں کی غفلت دیکھیے کہ اُن کی طرف سے سکھوں کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ جو ہندوؤں کی بے حسی اور بربادی کا پیش خیمہ ہے۔

مَیں نے سکھوں کی کتب مقدسہ کا کما حقہ مطالعہ کیا۔ مجھے سکھ مذہب کا کوئی ایک آدھا اصُول بھی ہندو دھرم سے مختلف کہیں نہیں ملا۔ جس کی بنا پر سکھ مذہب کو ہندو دھرم سے علیحدہ سمجھا جا سکے۔ میں نے چند سکھ وِدوانوں سے بھی دریافت کیا مگر وہ بھی کوئی ایسا اصُول نہیں بتلا سکے۔ ایک سکھ صاحب نے جو سکھوں کو ہندوؤں سے الگ مانتے ہیں سب سے آگے ہیں بتلایا کہ سکھ دھرم میں صرف ایک پرمیشور کی پُوجا لکھی ہے۔ اور ہندو دھرم انیک دیوی دیوتوں اور بتوں کی پرستش میں مُبتلا ہے۔ نیز یہ کہ ہندو دھرم میں رام اور کرشن کو ایشور کا اوتار مانا جاتا ہے۔ بس لے دے کے صرف یہ ایک فرق بتلایا گیا ہے۔ لیکن جس قدر بت پرستی سکھ مذہب میں جاری ہے۔ اُس کا عشرِ عشیر بھی ہندو دھرم میں نہیں دربار صاحب۔ گرنتھ صاحب۔ منجی صاحب۔ پیڑھی صاحب۔ سرہانہ صاحب۔ رومال صاحب۔ ہرمندر صاحب۔ اکال تخت۔ پنجہ صاحب۔ بیری صاحب، ٹالی صاحب، بابا اٹل صاحب، وغیرہ وغیرہ بیسیوں صاحبوں کی پُوجا جاری ہے۔ گرنتھ صاحب کو بھوگ لگایا جاتا ہے۔ اشنان کرایا جاتا ہے۔ داتن کرائی جاتی ہے۔ چُوری جھُلائی جاتی ہے۔ متھا ٹیکا جاتا ہے۔ دُعائیں مانگی جاتی ہیں۔ ہرمندر کی دہلیز پر ماتھا رگڑا جاتا ہے۔ مندر پر کھڑی ہوئی گورووں کی مورتیوں کے آگے سجدے کئے جاتے ہیں۔ شہیدوں کی سمادھوں پر سجدے گذارے جاتے ہیں۔ بابا اٹل صاحب کی مُٹھیاں بھری جاتی ہیں۔ مَیں نے ہرمندر امرتسر کے گرنتھیوں اور گیانیوں کو گورووں کی مورتیوں کے سامنے سربسجود ہوتے بچشم خود

دیکھا ہے۔ سکھوں کا یہ عذر کہ صرف جاہل سکھ ہی بُت پرستی کرتے ہیں اس لئے غلط ہے کہ بے جان گرنتھ صاحب کے آگے اور اکال تخت میں پڑی ہوئی گورو جی کی مورتی کے سامنے بڑے بڑے گیانی سکھ متھا ٹیکتے ہیں۔ اگر سکھ دھرم کی تعلیم میں بُت پرستی نہ ہوتی تو سکھ اسے سختی سے منع کرتے۔ جب ہم دسم گرنتھ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ گورو گوبند سنگھ جی چنڈی۔ کالکا۔ امبکا۔ دُرگا۔ شِوا سکار تکیانی۔ کامروپا۔ کچھیا۔ منگلا۔ سیتلا۔ بھدر کالی۔ گورجا۔ بھوانی۔ تُوتلا بھیروی۔ سندھا۔ بھارگوی۔ ہنگلا۔ پنگلا۔ جوگ مایا۔ کپالی۔ چھلا۔ اَچھلا۔ الیشوری۔ جوالا وغیرہ وغیرہ ۳۲ دیویوں کے معتقد تھے۔ جیسا کہ دو چار شلوک درج ذیل ہیں۔ دیکھئے صفحہ ۱۱۰ دیوی جی کی اُستت :-

"نمو بھیروی۔ بھارگوی ام بھوانی۔ نمو جوگ جوالا دھری سرب مانی۔ بھوی۔ کھادنی بھیروی بھیم روپا۔ نمو ہنگلا پنگلائیم انوپا + نمو سنگھ داہی نمو داڑ گاڑم۔ نمو کھگ دگم۔ جھما جھم باڈم۔ نمو چتر باہی۔ نمو اشٹ باہا۔ نمو پوکھنی سرب عالم پناہا +

جنیتی نمو منگلا کالکائیم۔ کپالی نمو بھدر کالی سوائیم۔ دُرگائیم۔ چھمائیم نمو دھاتریم۔ سواہا سُدھائیم نمو سیتے ایم۔

"نمو بھیم رُوپا نمو لوک ماتا۔ بھوی بھاونی بھوکھیا نابد ماتا۔ نمستم نمستم بھوانی۔ سدا راکھ لے موہے کرپا کے کرپانی" +

اِتی سری بچتر ناٹکے چنڈی چرترے دیوی جُو کی اُستت برنم سپتوہ ادھیائے سمپورنم.. استو شبھ مستو۔

آد گرنتھ صاحب صفحہ ۲۷۰ گوڑی کی واز محلہ ۴ میں گورو صاحبان کی مورتیوں کی پُوجا کرنی لکھی ہے۔

"ہر نام دی تان۔ ہر نام دی بان ہر ناموں رکھ کرادے۔ جو چت لائے پُوجے گُور مورت۔ سو من اِچھے پھل پاوے"

یعنی جو کوئی سکھ اپنے گورو کی مورتی کو دل لگا کر پُوجتا ہے۔ وہ حسب خواہش مُراد پاتا ہے۔ نیز صفحہ ۱۴۶۱ راگ دھنا سری محلہ ۴ میں گورو نانک صاحب کا فرمان بھی یوں درج ہے۔ کہ "ستگور کی مورت ہردے وسا دے۔ جو اِچھے سوئی پھل پائے" +

آد گرنتھ صاحب میں بھگوان رام چندر اور کرشن جی مہاراج کو جا بجا ایشور یا ایشور کا اوتار لکھ کر دونوں کی پُوجا کرنی لکھی ہے۔ لیکن سکھ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ رام اور گوپال الفاظ سے گورو صاحبان کا مطلب ایشور تھا نہ کہ دشرتھ یا واسدیو کے بیٹے رام اور کرشن مگر آد گرنتھ صاحب راگ سورٹھ محلہ ۵ صفحہ ۹۶۳ پر سیا رام نام جپنے کی ہدایت لکھا جانا ثابت کرتا ہے۔ کہ گورو صاحبان ماتا سیتا کے پتی اور مہاراجہ دشرتھ کے بیٹے رام کی پُوجا کیا کرتے تھے۔ اور انہیں ہی ایشور مانتے تھے۔ شلوک یا شبد درج ذیل ہے +

"ہاتوں ہوں کرت بہائی اودھ اجیہا کو کام نہ کینا۔ دھاوت دھاوت نہ تپتا سیارام نام نہیں چینا" ایضاً صفحہ ۱۲۰۱ سارنگ محلہ ۴ گھر ۵"۔ جب من مادھو مدھو سُودن ہر سری رنگو پرمیسر و ست پرمیسر و پربھو" اس شبد میں مدھو سودن مادھو یعنی بھگوان کرشن کو پرمیشور لکھ کر اُس کا جاپ کیا گیا ہے۔ آد گرنتھ صفحہ ۱۳۵۳ شلوک سنسکرتی محلہ ۱ میں خود گورو نانک دیو جی مہاراج بھگوان واسدیو کرشن کو نرنجن یعنی خدائے قادر مطلق اور اپنے تئیں کرشن کا داس لکھتے ہیں۔ "ایک کرشنم ت سرب دیو ادیو دیوات آتما۔ آتم سری باسُودیوسیہ جے کوئی جانسی بھیو۔ نانک تا کو داس ہے سوئی نرنجن دیو۔"

سکھ گورو صاحبان مورتی پُوجا کے قائل تھے۔ دسم گورو صاحب نے تو گرنتھ صاحب کو ہی گورو یعنی پرمیشور مان کر بے جان گرنتھ کی پوجا چلا دی۔ "آگیا بھئی اکال کی تبھی چلایو پنتھ + سب سکھن کو حکم ہے گورو مانیو گرنتھ"۔

گرنتھ صاحب میں گورو پوجا کی تعلیم ملاحظہ فرمایئے۔ "صفحہ ۴۴" صفحہ ۴۴ "سگل پدارتھ تیں ملے جن گورو ڈھا جائے۔ گر چرنن جن من لگا سے وڈبھاگی مائے۔ گرداتا سمرتھ گر۔ گر سب مہی رہیا سمائے۔ گر پرمیسر پار برہم گر ڈبدا لئے ترائے۔

صفحہ ۳۴۵ - راگ آسا محلہ ۵ "ستگر اپنا سد سدا سماہرے۔ گر کے چرن کیس سنگ جھاڑے۔ گر پورے کے چرن گہے۔ کوٹی جنم کے پاپ لہے۔ گربن دوجا ناہیں تھاؤں۔ گرداتا گر دیوے ناؤں۔ گر پاربرہم پرمیشر آپ۔ آٹھ پہر نانک جاپ۔

صفحہ ۸۶۵ - گونڈ محلہ "گر پرمیسر ایکو جان۔ جو تس بھاوے سو پردان۔ گورو میری پوجا گور گوبند۔ گورو میرا پاربرہم گورو بھگونت۔

صفحہ ۵۸۶ - راگ وڈہنس دار محلہ ۳ "سو ستگر سیو ہو سادھ جن جن ہر ہر نام درڑھایا۔ سو ستگر پوجو دن سو رات جن جگن ناتھ جگدیش جپایا۔

صفحہ ۵۸۷ محلہ ۳ - "انتر تیرتھ گیان ہے ستگر دیا بجھائی۔ میل گئی من نرمل ہویا امرتسر تیرتھ نہائی۔

صفحہ ۵۸۸ - محلہ ۳ - جن جگ جیون اپدیسیا تس گور کو ہوں سدا گھمایا۔ تس گر کو ہوں کھنیاں جن مدھو سودن ہر نام سنایا

سکھمنی صاحب محلہ ۵ "سو ستگر جس ردے ہر ناؤ۔ انک بار گر کے بلجاؤ۔"

صفحہ ۱۱۳۵ بھیرو محلہ ۴ - "ہر کا سنت ہر کی ہر مورت جس ہردے ہر نام مرار۔ مستک بھاگ ہووے جس لکھیا سو گر ینت ہردے ہر نام سمار۔

صفحہ ۲۶۸ - گوڑی باون اکھری محلہ ۵ - گر دیو ماتا۔ گر دیو پتا۔ گر دیو سوامی پرمیسرا۔ گور دیو سکھا۔ اگیان بھجن۔ گر دیو بندھپ سہودرا۔ گر دیو داتا ہر نام اپدیسے۔ گر دیو منت نرود ہرا۔ گر دیو سانت ست بدھ مورت گور دیو پارس پرسپرا۔ گور دیو تیرتھ۔ امرت سرودر۔ گر گیان مجن اپرمپرا۔ گر دیو کرتا سب پاپ ہرتا گور دیو پتت پوتر کرا۔ گور دیو آد جگاد جگ جگ گر دیو منت ہر جپ ادھرا۔ گر دیو سنگت۔ پربھ میل کر کر پا ہم موڑھ پاپی جت لگ تیرا۔ گر دیو ستگر پاربرہم پرمیسر گر دیو نانک ہر نمسکرا۔"

صفحہ ۱۳۸۰ - گونڈ محلہ ۵ "گور کے چرن ردے ہیں دھارد۔ گر پاربرہم سدا نمسکارد۔ بھولے کو گر مارگ پایا اور نیاگ ہر بھگتی لایا۔ گر کرتا گر کرنے جوگ۔ گرد پرمیسر ہے بھی ہوگ۔ گر پرمیسر ایکو جان۔ جو تس بھاوے سو پردان۔"

صفحہ ۱۳۳۸ - بھیرو محلہ محلہ ۵ "ستگر کے چرن دھوئے دھوئے پیواں۔ گر نانک جپ جپ سد جیواں۔"

گرنتھ صاحب میں سینکڑوں جگہ گورو صاحبان کو پرمیشور مان کر سکھوں کو گوروؤں کی پوجا سکھلائی گئی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہر ایک سکھ گوروؤں کو یا گوروؤں کے جسم گرنتھ صاحب کو ایشور مان کر گوروؤں کا پجاری بنا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ خود گورو ارجن دیو جی مہاراج گورو نانک صاحب کو پرمیشور مانتے تھے۔ جیسا کہ آد گرنتھ صاحب صفحہ ۸۶۵ محلہ ۵ میں لکھتے ہیں کہ گورو نانک نانک ہر سوئی۔

صفحہ ۱۳۹۰ محلہ ۱ سویئے۔ ست جگ تے مانیو۔ چھلیو بل باون بھائیو۔ تریتے تے مانیو رام رگھو بنس کہاہو۔ دواپر کرشن مراری کنس کرتارتھ کیو۔ اگر سین کو راج ابھے بھگت جن دیو۔

کلجگ پرمان نانک گورو انگد امر کہائیو۔ سری گورو راج اٹل آدپرکھ فرمائیو۔

صفحہ ۱۴۰۸ - سویئے محلہ ۵ "جوت روپ ہری آپ نانک کہائیو۔ تاتے انگد بھیو تت سیوں تت ملائیو۔ بھن متھرا کچھ بھید نہیں گورو ارجن پرتکھ ہری"۔ بھائی گورداس جی جن کی واروں کو گرنتھ صاحب کی کنجی کہا گیا ہے۔ وار ۱ ۱۰۴ میں لکھتے ہیں کہ "نانک نربھو نرنکار و ہج سید ھال کھیلا۔ گر سمرمنائی کار کا کھنڈے کی ویلا" انک روپ دھر پر گیٹا ہے اکیلا"۔

وار الہ - ۲۶ - گورداس غریب تمن کا چیلا - جپ جپ تمکو بھیو سہیلا - ایوں کرے گرد داس پکارا -
ہے ستگرو ہوہے ہے ہو اُبارا -

وار - ۱ - ستگر باجھ نہ بھیئے جپر دھرے نہ گرو اوتارا - گر پرمیشر اک ہے - سچا شاہ جگت وبجارا -

وار - ۷ - گرمورت پُورن برھم گھٹ گھٹ اندر سُورج سمجھے -"

وار - ۹ - گرمورت پُورن برھم اگت ابناسی - پاربرھم گور شبد ہے ست سنگ نواسی -"

وار - ۱۲ - "ہوں تہدے چوگھنے گور پرمیشر ایکو جانے" - ۵ -

وار - ۲۹ - گر پرمیشر اک جان - گورمکھ دُوجا بھاو مٹایا -

وار - ۲۰ - گرُ پرمیشور جان شبد کمایا - سادھ سنگت چل جلئے سیس نوایا -"

حتیٰ کہ وار الہ ۲ - ۱۸ میں بھائی گورداس جی نے گورو ارجن دیو جی کو خالق کُل مانا اور لکھا ہے کہ "نام دان اشنان درڑھ گرمکھ بھائی نستارا - گورو ارجن سب سرجن ہارا -" سکھوں میں یہ کہاوت ایک ضرب المثل سی بن چکی ہے کہ " گورو گوبند دونوں کھڑے کس کے لاگوں پائے - بلہاری گرُ اپنے جن پربھ دیا ملائے - یعنی گورو پرمیشور سے بھی زیادہ قابل تعظیم ہے - کیا میرے سکھ دوست مجھ پر خفا اور ناراض ہونے کی بجائے ان حقائق پر غور فرمائیں گے ؟ اور مانیں گے کہ سکھ مذہب ہندو دھرم سے جُدا نہیں - بلکہ ہندو دھرم کا پرچارک ہے ؟"

(آریہ گزٹ)

بھارت کے روشن ستارے

از لالہ دولت رام پوری بی۔ اے۔ بی۔ ٹی

ہندو مُسلم سِکھ عیسائی بھائی بھائی سارے ہیں
بھارت ماتا کی آنکھوں کے روشن سبھی ستارے ہیں
قالب ہوں لاکھوں گو انکے جان مگر اک رکھتے ہیں
درد سے تڑپے جب اک بھائی باقی سبھی تڑپتے ہیں
بھارت کی رکھشا کو سارے ہر دم ہیں تیار کھڑے
آن بچانے شان بڑھانے ہونے کو قربان کھڑے
مُفسد کوشش کرے ہمیشہ ان بھائیوں میں پھوٹ پڑے
مُنہ کی کھائے پیش نہ جائے اُلٹی ہو جو چال چلے
بھارت کی دُنیا میں شہرت اِنکے دم سے پھیلی ہے
پہلی صف میں قوموں کی بھارت نے جگہ بنالی ہے
اونچا اونچا راج ترنگا مِل کر سبھی لہرائیں گے
لاج کو رکھنے اِس جھنڈے کی سیس تلک کٹوائینگے
پریم نگر میں پریم سے رہ کر مضطر سبھی دکھائینگے
شانِ سلف بھارت کو اپنے مِلکر سبھی دلائینگے

سیٹھ سے مالی

I امارت کی شان

دہلی میں سیٹھ جواہر لال اپنی شان کے اکیلے امیر تھے۔ مال و دولت کا کیا ٹھکانہ۔ درجنوں کوٹھیاں ہندوستان کے مختلف شہروں میں موجود تھیں۔ لاکھوں کا بیوپار ہر سال ہوتا تھا۔ ہنڈی پرچے جا بجا چلتے تھے۔ خاص دہلی میں بیسیوں مکانات عالی شان اُن کے قبضے میں تھے۔ قلعۂ شاہی میں آمد و رفت تھی۔ دربار میں معزز اُمرا میں شمار ہوتا تھا۔ خُدا نے بیٹا بھی دیا تھا ہونہار۔ نام من موہن رکھا۔ لاڈ سے پالا۔ سیٹھانی صاحبہ اعلیٰ گھرانے سے تھیں۔ غرض کون سا سامانِ راحت تھا۔ جس سے سیٹھ جی محروم ہوں۔ زندگی امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ سے گُذرتی تھی۔ اُن کا نام زبانِ زدِ خلائق تھا۔ مروت و فیاضی کا نمونہ تھے۔

II قسمت کا پھیر

دِن بدلتے دیر نہیں لگتی۔ جاہ و جلال درخت کی چھاؤں ہے جو دوپہر کے بعد ڈھل جاتی ہے۔ شومیٔ قسمت سے ۱۸۵۷ء میں غدر کی آندھی دہلی پر چلی۔ وہ طوفان برپا ہُوا۔ کہ خُدا کی پناہ۔ لاکھوں لُٹ گئے۔ ہزاروں جان و مال سے برباد ہو گئے۔ جس کا جدھر سینگ سمایا چلا گیا۔ سیٹھ صاحب بھی اُس بلائے ناگہانی کا شکار ہُوئے۔ دولت ہاتھ سے جاتی رہی۔ مکان گولہ باری کی نذر ہُوئے۔ اس آپا دھاپی کے عالم میں لوگوں کے گروہ کے گروہ اجمیری دروازہ سے باہر نِکل رہے تھے۔ سیٹھ جی مع لختِ جگر و سیٹھانی صاحبہ ایک بہلی میں سوار ہو کر بھاگے۔ کہ جان بچائیں۔ رات کا وقت ہُو کا عالم۔ خطرناک سفر۔ لیکن سب کو جان پیاری ہوتی ہے۔ سیٹھ صاحب ناز و نعم سے پلے تھے۔ امارت کے نظارے دیکھے تھے۔ خدا کی شان۔ وہ امیر کبیر ایسے جان جوکھوں کے وقت میں جان کے بچاؤ کے لئے وطن سے بے وطن ہُوا۔

مُصیبت پر مُصیبت

کہا ہے۔ مُصیبتیں ایک ایک کر کے نہیں آتیں۔ سیٹھ جی خدا خدا کر کے دہلی سے بھاگے۔ پر بدنصیبی نے پیچھا نہ چھوڑا۔ جنگل میں قافلہ جا رہا تھا۔ اچانک ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے آن گھیرا۔ بہت لوگ بھاگ نکلے۔ کئی قابو میں آ گئے۔ راہزنوں نے مار مار کر کچومر نکال دیا۔ مال و متاع سب چھین لیا۔ سیٹھ جی بھی نرغے میں پھنس گئے۔ شامت کا مارا من موہن ظالم قزاقوں کے خنجر کا شکار ہُوا۔ سیٹھانی صاحبہ ڈر کر بے ہوش ہو گئیں۔ سیٹھ صاحب

جواہرات کا ڈبہ بغل میں چھپا کر لائے تھے۔ کہ آڑے وقت کام آئے گا۔ ڈاکوؤں نے دھمکایا۔ تو ڈبہ نکال کر سامنے رکھ دیا۔ ڈاکو..... خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ سیٹھ صاحب کو زندہ چھوڑ دیا۔ کچھ دیر بعد سیٹھانی صاحبہ بھی ہوش میں آئیں۔

تیرتھ یاترا

بہلی والا ڈاکوؤں کو دیکھتے ہی بہلی چھوڑ کر کافور ہوگیا۔ سیٹھ جی اب حیران کہ کریں تو کیا کریں۔ لق و دق جنگل۔ راستہ نامعلوم۔ ہمراہی مفقود۔ آنکھوں کے سامنے آنکھوں کے تارے من موہن کا قتل ایسا سانحہ جانکاہ تھا۔ کہ مضبوط سے مضبوط دل و گردہ کا آدمی ہوش کھو بیٹھے۔ ایسی پریشانی کے عالم میں سیٹھ صاحب کے سامنے دُنیا کی بے وفائی کا نقشہ جم گیا۔ دلی کے گذشتہ دنوں کی یاد تازہ ہوگئی۔ زار زار رونے لگا۔ مگر کب تک؟ بیچارہ آنسوؤں کی دھارا آدمی کے دل کو تسکین دیتی ہے۔ لیکن دل کا حال عجب ہے۔ گھڑی میں ماشہ گھڑی میں تولہ۔ سیٹھ صاحب کو تسلی کہاں؟ آخر تیرتھ یاترا کی سوجھی۔ رام کا نام لے کر روانہ ہوئے بدھاتا کے کھیل!

سیٹھ اور کوچوانی۔ دو متضاد باتیں ہیں۔ جس کا کام اُسی کو ساجے۔ ریل چار قدم چلے۔ اڑ گئے۔ نا آزمودہ کوچبان نے چابک دراز کیا۔ اور لگا مارنے۔ وحشی جانور بے تحاشہ بھاگے۔ راستہ ناہموار تھا۔ ہر منزل درکار تھی۔ گاڑی کا دایاں پہیہ شگاف میں دھنس گیا۔ اور اُلٹ گئی۔ سیٹھانی صاحبہ دھم سے زمین پر آپڑیں۔ سیٹھ صاحب بھی گرتے نہ سنبھلے۔ رسیاں توڑ کر بیلوں نے جنگل کا راستہ لیا۔ خدا کا شکر چوٹ سخت نہ آئی۔ کچھ دیر کے بعد مصیبت زدہ مسافر اُٹھے۔ اور پیدل چلنے لگے۔ جن پاؤں نے گاڑی سے باہر قدم نہ رکھا تھا وہ خاردار راستوں کی اُلجھن میں گرفتار ہوئے۔

پوچھتے پوچھتے ہردوار کا رُخ کیا۔ کئی روز کی سرگردانی کے بعد اُس مہان تیرتھ کے درشن نصیب ہوئے۔ دل کو ڈھارس ہوئی۔ کہ ہری کے بھجن میں زندگی کے باقی دن گذار دینگے۔ ہر کی پوڑی پر پہنچے۔ پنڈے نے تاڑا کہ شکار جال میں پھنسا چاہتا ہے۔ سیٹھ صاحب کو باتوں باتوں میں اپنے استھان پر لے گیا۔ بڑی آؤ بھگت کی۔ سیٹھ جی نے اطمینان خاطر سے پنڈت جی کے گھر میں نواس کیا۔ جنگل میں سیٹھانی صاحبہ جب بے ہوش ہوئی تھیں تو ڈاکوؤں کے دست تعدی سے بچ گئی تھیں۔ اُن کے پاس چھپے چھپائے چند زیور رہ گئے تھے۔ پنڈے نے بھانپ لیا تھا۔ کہ مال اچھا ہاتھ آئے گا۔ حکمت سے کام لینا چاہیئے۔

متر گھات

پنڈت جی:۔ سیٹھ صاحب! آنند سے رہیئے۔ آپ کا گھر ہے۔ سیوا کے لئے ہر دم تیار ہیں۔

سیٹھ:۔ بڑی کرپا ہے۔ ہمارے دھن بھاگ۔ آپ سے بھینٹ ہوئی۔ آپ کے درشن سے من اتی پرسن ہوا۔

پنڈت جی:۔ ہمارا یہی دھرم ہے۔ یاتریوں کی سیوا ہمارا مُکھ کرم ہے۔ پچھلے سال سیٹھ روی نندن جی آگرہ نواسی ہمارے ہی گھر میں براجمان ہوئے تھے۔ کنبھ کے اوسر پر کلکتہ سے کئی دھنوان بھدر پرش ہمارے ہاں ٹھہرے تھے۔

نوواردوں کے لئے الگ کمرہ آراستہ وپیراستہ کیا گیا۔ رات کو دونوں وہیں فروکش ہوئے۔ برسات کا موسم تھا۔ ہوا بند تھی۔ کمرے کو بند کر کے سونا ناممکن تھا۔ دروازے کھلے چھوڑ دئے گئے۔ فکر کا کیا مقام تھا؟ پنڈت جی دیا دان اُسی استھان میں براجمان تھے۔ رکھشا کا پربندھ ضرور کرینگے +

نئی جگہ۔ سفر کی صعوبت۔ ایام گذشتہ کی یاد تازہ تھی سیٹھ جی کا دل گذشتہ واقعات کی پڑتال میں مصروف ہو گیا۔ دیر تک آنکھ نہ لگی۔ ایک بجے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلی۔ نیند نے غلبہ کیا۔ اور دونوں مسافر خواب راحت میں محو ہو گئے۔ ابھی دو ساعت گذرے تھے۔ کہ مسافروں کے کمرے میں ایک نامعلوم آنے والے کی پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ سیٹھ صاحب گہری نیند میں غرق دہلی کے خواب لے رہے تھے۔ دُنیا و مافیہا کی سُدھ نہ تھی سیٹھانی صاحبہ آہٹ سے بیدار ہو گئیں۔ مگر قبل ازیں کہ لفظ زبان سے نکلے۔ اجنبی کے زبردست پنجہ نے گلے کو گھونٹ لیا منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا۔ اور تلاشی شروع ہوئی۔ زیورات اُتارے گئے۔ گنتی میں تین ہی تھے۔ مگر بڑی دیگ کی کُھرچن بھی بڑی ہوتی ہے۔ قیمت میں ہزاروں کا مال تھا۔ اجنبی اپنا کام کر کے چلتا بنا۔ کچھ دیر کے بعد سیٹھ صاحب بیدار ہوئے۔ تو عجیب سماں نظر آیا۔ سیٹھانی جی کی حالت پریشانی کا نمونہ تھی۔ رونے پیٹنے لگے۔ اتنے میں پنڈت جی آن موجود ہوئے۔ دریافت کرنے پر کوسنے لگے۔ کہ مورکھوں کی عقل ٹھکانے نہیں۔ براہمن کے گھر میں چور کا کیا کام؟ ابھی رات باقی تھی۔ دھکے مار کر باہر نکال دیا۔ یہ نئی آفت تھی۔

رازِ خوشی

سہارنپور میں لالہ سربدیال نامی وگرامی ساہوکار تھے۔ دھن دولت۔ جاہ وثروت کسی شے کی کمی نہ تھی۔ کئی کوٹھیوں کے مالک تھے۔ باغات۔ کارخانے درجن سے اُوپر تھے۔ ۱۸۷۵ء کا ذکر ہے۔ کہ مارچ کے مہینہ میں لالہ صاحب موصوف کے ہاں اُن کے دیرینہ دوست شری مان کرشن کمار جوہری منظفرنگر ملاقات کے لئے تشریف فرما ہوئے۔ میزبان نے معزز مہمان کا پرتپاک استقبال کیا۔ مشہور کوٹھی لالہ زار میں ٹھہرایا۔ صبح کا سمہ تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی بادِ خوشگوار کے جھونکے چل رہے تھے۔ جوہری صاحب باغ میں سیر کر رہے تھے۔ چلتے چلتے پھلواڑی میں وارد ہوئے۔ جہاں باغ کا مالی اپنا دت پھول کیاریوں کو سینچ رہا تھا۔ جوہری صاحب کچھ لمحے کے لئے ٹھہر گئے۔ اور نظر تعجب سے مالی کو دیکھنے لگے تھے۔ تاڑ گئے میں پہچان گئے۔ کہ باغبان نرالی وضع کا ہے۔ اُس کے بشرے سے ٹپکتا ہے کہ اُس نے اور قسم کے دِن بھی دیکھے ہیں۔ طبیعت میں اُمنگ پیدا ہوئی۔ کہ نرالے مالی سے دو چار باتیں کریں۔ پاس گئے اور شیریں کلامی سے یوں گویا ہوئے۔

جوہری:۔ مالی کب سے یہاں کام کرتے ہو؟ پہلے کہاں تھے؟

مالی:۔ حضور! سترہ سال سے یہاں پڑا ہوں۔ یہیں کام سیکھا۔ اور لالہ جی کی دیا سے یہیں دن گذار رہا ہوں

جوہری:۔ اس سے پہلے کہاں تھے اور کیا کام کرتے تھے؟

اس سوال کو سُنکر مالی کے چہرے پر رقت طاری ہو گئی۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آہ سرد بھر کر کہا کچھ نہ پوچھئے؟

جوہری:۔ (ہمدردی سے) نہیں مالی۔ گھبراؤ مت۔ ہمیں تمہارے حالات معلوم کرنے میں دلچسپی ہے بتلانے میں کچھ حرج نہیں

مالی:۔ جناب کیا بتلاؤں۔ پُرانے دِنوں کی یاد پُرانے زخموں کو ہرا کر دے گی۔ لیکن آپ کا ارشاد سر آنکھوں پر۔ سُنئے!

یہ بوڑھا مالی کسی زمانے میں دہلی کا مشہور سیٹھ تھا۔ غدر کی بادِ خزاں جو چلی اُس کے جاہ و حشمت کا باغ اُجڑ گیا۔ قلعے میں آنا جانا تھا۔ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس گیا۔ بے گناہ سیٹھ باغیوں کے زمرے میں شمار کیا گیا۔ اُس کی گرفتاری کے فرمان جاری ہو گئے۔ جانِ شیریں کو گنوانا کون گوارا کر سکتا ہے۔ جب تک بس چلے۔ بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ دیگر مصیبت زدہ ہمراہیوں کے ساتھ میں بھی قبیلہ ساتھ لے کر بھاگا۔ راستہ میں ڈاکوؤں کے ہاتھوں تباہ ہُوا۔ مال و متاع جو ساتھ تھا لُٹ گیا۔ بیٹے کی جان گئی۔ خوف زدہ سیٹھانی کو ہمراہ لے کر تیرتھ کو چلا۔ پنڈے نے مارِ آستین کا سلوک کیا آدھی رات کے بعد زیورات جو کچھ چھپے چھپائے ساتھ تھے چھین لیے اور دھکے دے کر نکال دیا۔ بھٹکتے بھٹکتے یہاں پہنچا۔ لالہ جی کی منت کر کے باغ میں کام کرنے لگا۔ آج آپ اس حالت میں دیکھ رہے ہیں۔

جوہری کا دل اِس داستانِ رقت انگیز کو سُن کر پگھل گیا۔ کہنے لگے :۔

جوہری :۔ تمہاری سرگذشت قابلِ عبرت ہے۔ سچ کہا ہے۔ ہر کمالے را زوالے۔ کہاں سیٹھ کہاں مالی۔ اچھا اب بتاؤ کیسے گذرتی ہے۔ خوش ہو یا ناخوش ؟

مالی :۔ حضور! پرماتما کی دیا سے ہم بہت خوش ہیں۔ جو بات ہمیں اب نصیب ہے۔ وہ کبھی میسر نہ تھی۔ دولت کھوئی جاہ و رُتبہ گیا۔ مگر ایک لازوال نعمت مل گئی۔

جوہری :۔ وہ کیا ؟

مالی :۔ اطمینانِ قلب۔ حقیقی مسرت، سچی خوشی۔

جوہری :۔ وہ کس طرح ؟

مالی :۔ جناب! تیس سال تک دولت کے نشے میں مخمور رہا۔ دُنیا بھر کے سامانِ راحت اکٹھے کیے۔ کوئی حظ نفسانی نہ تھا جس سے دامن آلودہ نہ کیا ہو۔ مگر شانتی پراپت نہ ہوئی۔ سالوں اُس کی تلاش کی۔ لیکن بے سود ہزاروں روپے خرچ کیے۔ عالی شان کوٹھیاں بنوائیں۔ نرم نرم مخملی بچھونے تیار کیے۔ مگر پرماتما کی پیاری نیند ان آنکھوں کو نصیب نہ ہوئی۔ قسم قسم کے لذیذ کھانے کھائے۔ پر سچی بھوک کا مزا میسر نہ ہُوا۔ سینکڑوں نوکر چاکر مقرر کیے۔ حکومت کے نشے میں سالوں سرشار رہا۔ لیکن فکر و بے اطمینانی کا کانٹا دل سے دُور نہ ہُوا۔ اس کے مقابلہ میں یہ غریب مالی دُنیا کی دولت دیکھ کر حقیقی خوشی سے وصال حاصل کر چکا ہے۔ باغ میں روز دس بارہ گھنٹے کام کرتا ہوں۔ وہ بھوک لگتی ہے۔ کہ زبان ذکر کرنے سے قاصر ہے۔ نیند کا آنند وہ آتا ہے۔ گویا سورگ کے سُکھ کی تصویر دیکھ رہا ہوں۔ دھرم پتنی کے ساتھ سُکھ اور شانتی سے باغ کے جھونپڑے میں دن گذار رہا ہوں ؎

دھن تھا۔ سُکھ کی تلاش کی۔ نصیب نہ ہُوا۔
دھن گیا۔ کام نصیب ہُوا۔ سچی خوشی پراپت ہوئی +

دورِ خزاں کی بات

از قلم :- ڈاکٹر راج بہادر ورما راز بریلوی

کیوں چھیڑتی ہے بادِ صبا گلستاں کی بات
کھل جائے بیوجہ نہ کہیں باغباں کی بات
ابتک رہی جو خلق کے وہم و گماں کی بات
کھو دے وہی نہ میرے دلِ رازداں کی بات
سُنتا نہیں ہوں اِس لئے میں دلستاں کی بات

دِل میں رفاہِ عام کا کس کے خیال ہے
روکے بُرائیوں کو یہ کس کی مجال ہے
اِفلاس و بیکسی کا وہ فرسودہ حال ہے
جس سے سنبھلنا قوم کی حالت مُحال ہے
کڑوی سی لگ رہی ہے ہمیں مہرباں کی بات

باغِ جہاں میں عیش کے چرچے کہاں رہے
مخصوصیت کے دہر میں درجے کہاں رہے
جُود و سخا کے نام پہ خرچے کہاں رہے
رسم و رواج کیلئے صرفے کہاں رہے
سُنتا ہے کون غم سے بھری داستاں کی بات

صحنِ چمن میں نالہ و شیون ہزار کے
لائے قریب کھینچ کے پھر دِن بہار کے
شرم و حیا نے رکھ دیئے پردے اُتار کے
نغمے صبا نے چھیڑ دیئے وصل و پیار کے
بھائی کسیکو راز کیوں دورِ خزاں کی بات

"اوم" کے پریمیوں کا حلقۂ ست سنگ

اوم کے کسی پریمی کو وید۔ اپنشد۔ کھٹ شاستر۔ بھگوت گیتا اور خاص طور پر یوگ اور ویدانت سے کسی مسئلہ پر وضاحت یا تشریح کی ضرورت ہو یا کوئی بھی روحانی مسئلہ درپیش ہو تو وہ اپنا سوال مختصر الفاظ میں بیان کرکے میرے پتہ پر بھیج دیں۔ "اوم" کے صفحات میں ست سنگ کے ضمن میں جواب درج کردیا جاویگا۔

پتہ :۔ دیوان پنڈی داس چوپڑہ۔ $\frac{۷۷}{۲۹}$ ۔ پٹیل نگر ویسٹ ۔ نئی دہلی نمبر ۱۲

سوال :۔ شریمد بھگوت گیتا میں بھگوان کرشن فرماتے ہیں کہ جب جب دھرم کی گلانی ہوتی ہے۔ میں دھرم کو ستھاپن کرنے کے لئے اور سادھو جنوں کی رکھشا کے لئے اوتار دھارن کرتا ہوں۔ لیکن اس میں کیا خوبی ہے کہ پہلے تو وہ خود ہی ادھرم کو پھیلنے کا موقعہ دیتے ہیں۔ اور صرف اس وقت حرکت میں آتے ہیں، جبکہ دھرم کی گلانی ہو چکتی ہے۔ یہ تو گویا وہی بات ہوئی۔ ایک پولیس افسر پہلے چوروں کو موقعہ دیتا ہے کہ نقب زنی کریں اور جب وہ کر چکتے ہیں تو اُن کی گرفتاری عمل میں آتی ہیں۔ انتریامی بھگوان سے تو ایسی توقع نہیں ہونی چاہیئے +

جواب :۔ شریمان جی ۔ جو کچھ بھی قدرت میں ہوتا ہے وہ خاص نیم کے انوسار ہوتا ہے۔ جب بھی سخت گرمی کا زور ہوتا ہے تو وہی گرمی سمندر سے بادل کھینچ کر لاتی ہے اور موُن سون بارش پیدا کرتی ہے۔ اگر پہلے گرمی کا زور نہ ہووے تو بادل بھی نہیں آسکتا ہے۔ یہ تو بھگوان کا اپنا نیم ہے۔ اب وہ اس نیم کو کیسے اُلنگھن کر سکتا ہے تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ بھگوان خود ہی انسان کو غلط رستے جانے ہی نہ دے۔ لیکن یہ تو بھگوان کی کرپا ہے۔ کہ اُس نے ہمیں آزادی فعل عطا کر رکھی ہے۔ اگر آزادی فعل نہ ہووے۔ تو پھر تو تمام دھرم اور اخلاق اور روحانی منازل بے معنی ہو جاتے ہیں۔

سوال :۔ جب پرماتما سرد ویاپک ہے اور جیو میں بھی ویاپک ہے۔ تو جیو کو اُس کا گیان کیوں نہیں ہوتا ہے۔

جواب :۔ آپ لفظ "ویاپک" کے معنے سمجھنے کی کوشش کریں۔ پرماتما ہر دستو میں اُسی طرح سے ویاپک ہے جس طرح سے کہ برف میں پانی ویاپک ہے۔ چھڑی میں لکڑی ویاپک ہے۔ جیو آتما میں پرماتما اس طرح سے ویاپک نہیں ہیں جس طرح سے کہ ایک ستھول وستو میں ایک سوکشم وستو ویاپک ہی جاتی ہے۔ جیو آتما اور پرماتما دراصل ایک ہی وستو کے دو مختلف نام ہیں۔ دراصل دونوں ایک ہی ہیں۔ اودیا کے کارن دو معلوم ہوتے ہیں۔ گیان ہو جانے پر یہ بھرم دُور ہو جاتا ہے۔

سوال :۔ بھگوت گیتا کی مقدم تعلیم یہی ہے۔ کہ نشکام کرم کرو۔ لیکن کسی مقصد یا مدعا کے بغیر کس طرح سے کوئی کرم ہو سکتا ہے۔

جواب :۔ نشکام کرم سے مراد ایسا کرم ہے جس میں کہ کرتا کو کرتاپن کا ابھیمان نہ ہووے۔ اُس میں اُس کی اپنی کوئی ذاتی غرض نہ ہووے۔ اور کامیابی یا ناکامیابی

دونوں اُس کے لئے یکساں ہوں۔ کرم کرنے والا اپنے آپ کو عالمگیر روح کا ایک محض آلہ کار تصور کرے۔ اور اپنی شخصیت یا انفرادیت کو مکمل طور پر پرماتما کے آدھین تصور کرے۔ ایسا کرنے سے وہ کرم بندھن سے آزاد رہے گا۔ اُسے ہر حال میں مکمل شانتی اور سکون قلب حاصل ہوگا۔ نشکام کرم کرنے والے کا مقصد اور مدعا صرف اپنی انفرادیت کو مٹانا ہے۔ تاکہ اُسے کرم بندھن سے مکمل آزادی ہووے۔

سوال: ۔ ایش اُپنشد کے نویں منتر میں آیا ہے۔ کہ جو لوگ اودیا میں غلطان ہیں وہ تو تاریک لوکوں میں جائیں گے لیکن جو لوگ ودیا میں غلطان ہیں وہ ان سے بھی تاریک لوکوں میں جائیں گے۔

جواب: ۔ اس منتر کا ارتھ پنڈت لوگ مختلف بیان کرتے ہیں۔ میں اس کی تشریح ایک حکایت سے کرتا ہوں۔

ایک یونانی فلاسفر نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ تمام دُنیا بیوقوف ہے۔ تو ایک منچلے شاگرد نے کہا کہ جناب آپ بھی تو دُنیا میں ہی ہیں۔ کیا آپ بھی بیوقوف ہی ہیں۔ استاد نے جواب دیا کہ ہاں اس میں کیا شک ہے۔ واقعی میں بھی بیوقوف ہی ہوں۔ پھر اُس شاگرد نے پُوچھا کہ جناب اب ہم میں اور آپ میں فرق ہی کیا رہ گیا۔ جواب میں اُس یونانی فلاسفر نے کہا کہ فرق تو اب بھی زمین آسمان کا ہے۔ پوچھا کہ کیا فرق ہے؟ اُستاد نے جواب دیا میں جانتا ہوں کہ میں بیوقوف ہوں۔ لیکن تم کو اتنا بھی پتہ نہیں ہے کہ تم بیوقوف ہو" تو کین اوپنشد کے لفظوں میں "جس کو کچھ معلوم نہیں ہے اُسے کچھ معلوم ہے۔ اور جسے سب کچھ معلوم ہے وہ کچھ نہیں جانتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آخری منزل تو ہر قسم کے معتقد سے پرے ہے۔ لہذا جہالت اور علمیت دونوں سے پرے ہے۔ جو لوگ NESCIENCE (اودیا) میں پھنسے ہوئے ہیں وہ ایک گونہ تاریکی کے عالم میں ہیں اور جو لوگ (SCIENCE) یعنی ودیا میں پھنس گئے ہیں۔ وہ اُس سے بھی زیادہ تاریک دُنیا میں ہیں۔ دیکھو! اس وقت دُنیا سائینس کی ترقی کی وجہ سے خودکشی کی طرف مائل ہے۔ گویا ودیا یا سائینس ہی اُس کی تباہی کا موجب ہو رہی ہے۔ سائینس کی ترقی سے پہلی جہالت کی حالت میں تو نسل انسانی کو اتنا خطرہ اور اضطراب نہ تھا

"حُبِ وطن!"

شری ساجن بھارتی

اپنے ہی بھائی سے تو مصروف جنگ کیوں ہے
بدلا ہوا وطن کا یہ تیرے رنگ کیوں ہے
جذبات میں بپا یہ طوفان درد کیوں ہے
ہر ہمت یہ تیرا ہم سامان درد کیوں ہے
قوم و وطن کے شیدا غدار ہو رہے ہیں
افسوس! یار اپنے۔ اغیار ہو رہے ہیں
زید و بکر کا مامن۔ تیرا وطن بنا ہے
زاغ و زغن کا مسکن۔ تیرا چمن بنا ہے۔
یہ ماتر بھومی تیری" دن بھومی بن نہ جائے
جیون کا تیرے ساتھی محرومی بن نہ جائے
عزت وطن کی رکھ لے، حُبِ وطن دکھا دے
قوم و وطن کی خاطر۔ ساجن ہو بہا دے

"رام راج"

از موریا ہیرالال رائے

میری پلکوں پہ اب اشکوں کے موتی کیوں نہیں آتے
میرا سینہ محبّت کی حرارت سے ہے کیوں خالی
زباں محروم کیوں ہے عشق و اُلفت کے ترانے سے
ہیں اُمید دل، دلاسوں سے بہل جاؤں یہ ناممکن
ہیں آشاؤں کی رنگینی میں غافل ہو نہیں سکتا
وہ راتیں اور وہ دن جو ہیں سرمایۂ محبت کا
مجھے وہ دن بلاتے ہیں۔ وہ راتیں یاد آتی ہیں
وہ دُنیا جس میں ہو دھرتی کے پالنہار کی بھگتی
وہ دُنیا جس میں کہ مظلوم انسانوں کی سیوا ہو
وہ دُنیا پیار ہو جس میں، وہ دُنیا عشق ہو جس میں
وہ انساں یاد آتے ہیں وہ دُنیا یاد آتی ہے!!

روحانیت کے بلند ترین خیالات کا پرچارک

رسالہ "اوم" دہلی کا



بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۶۱ء



خاص ادم کے کرشن نمبر کیلیے

کوی لوک ناتھ دل

مُدھر اُستتی

کنس کی کارا گار میں جنم سے پہلے جب پار برہم پرمیشور نے چتر بھج روپ سے درشن دیئے تو دیوکی نے اُس روپ انوپ کی اس پرکار اُستتی کی جس کا آج بھی شری کرشن جنم اشٹمی کے شبھ اوسر پر بھگت جن گان کرتے ہیں۔

بھئے پرگٹ سرلیشور، بن کملیشور ۔ شنکھ، چکر، گدا، پدم لئے
دیوکی ہرشائی۔ چھبی من بھائی ۔ نین کٹورے بھر کے پیئے
دو نین منوہر۔ سُدھا سروور ۔ کومل تن گھنشیام گھٹا
مُکھ کنج اتی سُندر۔ نیل کلیور ۔ روپ انوپ کی دِویہ چھٹا

(۲)

پٹ پیت بسنتی، اُر وے جینتی ۔ سُر نر مُنی جن من ہاری
پر یہ کریٹ مکٹ پر، کالی لٹ پر ۔ کوٹی روی ششی بلہاری
اوبچل اوناشی، وِشو پرکاشی ۔ اُستتی کی بہو بدھی بھاری
گوپتی، گوسوامی۔ انترجامی ۔ اوتارن کے اوتاری

(۳)

جے جے سُکھ ساگر بھون اجاگر شوبھا ساگر رما رمن
جے جے بھئے بھنجن موہ مد گنجن جن من رنجن، جگ موہن
جے جے جگ نندن، سُرار چہندن اسُر نکندن، اگھ ہاری
جے جے سُکھ کاری، دین ہنکاری گو دِوج رکھشا برت دھاری

(۴)

یوگی منی نارد، شیش وشارد وید پوران بکھان کریں
شُرتیاں تھک جاویں پار نہ پاویں پرتی کھشن تو گُن گان کریں
ہو تمہیں کرپال، پرم دیال کیسے یہ وشواس کروں
ہے پرمانند! آنند کند!! دیا کرو تب دِھیر دھروں

(۵)

بن کرشن شوبال، کرو نہال بولی تب تب کھشن مہتاری
مُکھ پیارے چُوموں ہر ترت جھوموں دل میں ابھلاشا بھاری
گولوک دہاری، لیلا دھاری ادھروں پر مُسکان دھرو
نت لاکر لو لو، اِت اُت ڈولو دُودھ استھن سے پان کرو



شری کرشن جنم



از شری جگن ناتھ کھنہ صفی۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی برندابن نواسی

دیوکی بسدیوجی تھے قیدخانہ میں مقیم — سہ رہے تھے آفتیں زندانہ خانہ میں عظیم
آمدِ مولودِ ہشتم سے زبس دلگیر تھے — کس طرح اس کو بچائیں سوچتے تدبیر تھے
سات بچے کرچکے تھے اب تلک وہ نذرِ کنس — اپنے ہی ہاتھوں سے گویا کھوچکے تھے اپنی انش
سوچتے تھے ہے وہی پھر وقت نازک آرہا — اندر ہی اندر یہ غم تھا اُن کے دل کو کھا رہا
روز و شب کرتے تھے اب وہ ایشور سے التجا — کنس کے ہاتھوں سے اب مولود یہ اپنا بچا
کنس کی حالت اُدھر تھی ہو رہی ناگفتہ بہ — سوچتا تھا موت میری آرہی ہے اب تو یہ

از خیالِ حملِ ہشتم لرزہ براندام تھا
چین تھا دن کو نہ اُس کو رات کو آرام تھا

تھیں گذرتی جارہی گھڑیاں بس اس ہی فکر میں — رات دن رہتا تھا وہ مصروف اس ہی ذکر میں!
اشٹمی تھی کرشن بھادوں کی شب دیجور تھی — آسماں پر چھارہی کالی گھٹا گھنگور تھی
تھا اندھیرا گھُپ نہ دیتا تھا دکھائی کچھ کہیں — مسکرا دیتی تھی بجلی گاہے گاہے بالیقین
بادلوں کی گرج تھی یا وہ پرلے کا شور تھا — پڑ رہی تھیں بوندیاں بھی اور ہوا کا زور تھا

تھی ورودِ شام سُندر کی مبارک وہ گھڑی
ہوگئی پُرنور یکدم قید کی وہ کوٹھڑی

پہرہ والے راکشس سب تان لمبی سوگئے — اور گہری نیند میں مدہوش وہ سب ہوگئے
دیکھ کر اک دِویہ جیوتی کوٹھڑی میں دیوکی — ہوگئی حیران و ششدر اور کچھ گھبرا گئی
اتنے میں بسدیو نے دیکھا کھڑے بھگوان کو — اُس پربھو جگدیش کو، اُس سروشکتیمان کو
وہ چھبی انکی الوکک کانتی اِن کی انوپ — چتربھج مورت منوہر، موہنی سُندر سروپ
سوچتے تھے ہم کہاں اور یہ کہاں جگدیشور — قید خانہ میں ہیں آئے کس لئے پرمیشور
ہوکے نت مستک وہ انکی استتی کرنے لگے — اور پھر مستک شری چرنوں پہ وہ دھرنے لگے

ہے پربھو جگدیشور سنسار کے رکھشک ہیں آپ
دین دُکھیوں کے سہائی جگت کے پالک ہیں آپ

پتت پاون بھگت وتسل آپ ہیں مایاپتی
ہیں سُروں کو دینے والے آپ ہی اوچی گتی
ہو کے موہ وش بھول جاتے ہیں پرانی آپ کو
ٹھوکریں کھاتے ہیں اور پاتے ہیں وہ سنتاپ کو
پرم نایک ہیں اکھل برہمانڈ کے بس آپ ہی
چاند اور سورج کو ہیں پرکاش دیتے آپ ہی
دُشٹ اپناچاریوں کے بنتے آتے کال ہیں
اپنے بھگتوں پر دیالو ہیں اتی کرپال ہیں

اِتنے میں بولے پربھو بس اب سماں نہ کھویئے
کام کرنے کے لئے بس سادھان اب ہوئیے

نند جی کے گھر مجھے گوکل میں اب پہنچایئے
اور کنیا کو جسودا کی یہاں لے آیئے
پھر ششو نوجات کی بھانتی پربھو رونے لگے
بسدیو گوکل کے لئے تیار اُدھر ہونے لگے
قید خانہ کے وہیں پر کھل گئے قفل اور در
چل پڑے لیکر انہیں بسدیو بھی ہو کر نڈر
جمنا جی میں کر دیا پھر آپ نے پرویش جھٹ
اور آ پہنچے وہیں پھیلا کے پھن ناگیش جھٹ

دیکھتے ہی دیکھتے جمنا میں جل بڑھنے لگا
اور دھیرے دھیرے اب اُوپر کو وہ چڑھنے لگا

اس نئے خطرہ سے اب بسدیو جی گھبرا گئے
سوچتے تھے ہم تو ہیں شاید بھنور میں آ گئے
ہو گئے بالکل وِوش اور سوجھتا کچھ بھی نہ تھا
اب بچاؤ کے لئے بچہ کے چارہ ہی نہ تھا
بھانپ لی صورت وہیں ایشور پربھو جگدیش نے
چرن نیچے کر دیئے جمنا کو چھونے کیلئے
پھر گیا پانی اُتر جمنا کا فوراً اے صفی
ہو گیا پایاب اور آگے بڑھے بسدیو جی

پار اُسکو کرکے وہ گوکل میں آ پہنچے شتاب
نند کے گھر آ کے کی تعمیل ارشادِ جناب

پاس لشمت کے دیا فوراً ششو اپنا لٹا
اور اُس کے پاس سے لی کنیا چپکے اُٹھا
لیکے اِس کو سُوئے متھرا چل پڑے بسدیو جی
آن پہنچے قید خانہ میں وہ نزدِ دیوکی
کنیا کو لیکے اُنکے ہاتھ سے خوش ہو گئی
کر لیا بالکل یقین مشکل جو تھی حل ہو گئی
کنس اِس پر ظلم کوئی اب تو ڈھا سکتا نہیں
کنیا معصوم سے وہ خوف کھا سکتا نہیں
پہرہ والے راکشس تھے نیند میں غلطاں سب
سو گئے وہ بھی مزے سے خوب لمبی تان اب

صبح ہوتے ہی خبر یہ کنس موذی کو ملی!
اب کے ہے بسدیو کے گھر کنیا پیدا ہوئی

آٹھواں بچہ سمجھ کر اُس سے وہ ڈرنے لگا
سوچ دِل میں اُس کے بدھ کرنے کی وہ کرنے لگا
کنیا بیشک ہے وہ لیکن ہے بچہ آٹھواں
اِس لئے بھے بھیت تھا وہ دل ہی دل میں بےگماں
بس اُٹھا اور آن پہنچا جھٹ وہ کارا گار میں
دیوکی سے آن کر بولا عجب للکار میں!

رات کو بچہ ہوا پیدا ہے جو وہ لایئے
ہاں ذرا صورت تو اس کی اب مجھے دکھلایئے

دیوکی بولی کہ یہ اک کنیا معصوم ہے — ڈر نہیں کچھ اس سے بھائی آپکو معلوم ہے
کینا بیکس ہے یہ اک عجز کی تصویر ہے — آپ ہی بتلائیں کیا اسکی بھلا تقصیر ہے

سات بچے ہیں نے تیرے آپ آگے دھر دیئے
دہم کی دیدی یہ تیری آپ قرباں کردیئے

اب نہ اس بچی کو مارو بھائی ہے میری پکار — اسکی جان بخشی کرو، ہوں مانگتی یہ بار بار
کنس کے دِل پر نہ لیکن کچھ ہوا اسکا اثر — ہو رہی دیوانگی طاری تھی اس پر سر بسر
کینا کو ہاتھ میں لیکر پٹک ڈالا وہیں! — دیوکی یہ دیکھ کر پھر تکتی ہی رہ گئیں
اُڑ گئی آکاش کو وہ کنیا فوراً صفی — صورتِ آکاش بانی اس طرح کہنے لگی

ہوش کر تو ہوش کر اب بھی سنبھل اے بے حیا
مارنے والا ہے تجھ کو کنس پیدا ہوگیا

چار روزہ زندگی کو اب نہ تو برباد کر — مار ڈونگا اپنے دشمن کو نہ یوں دل شاد کر

کنس کے دِل پر ہوا آگھات سُنکر بات یہ
مار وہ مجھ کو سکیگا۔ کس کی ہے اوقات یہ

کیا بگاڑیگا بھلا میرا وہ طفلِ شیر خوار — دھاک ہے طاقت کی میری ہیں وہ مرد کارزار
جتنے نوزائیدہ بچے ہیں سبھی مرواڈنگا — وہ بھی مر جائیگا یونہی، چین میں یوں پاؤنگا
اور اُدھر گوکل میں جب لوگوں نے سن پائی خبر — نند کے گھر ہو گیا پیدا ہے اک نورِ نظر
آگئے خورد و کلاں سب مرد و زن نندال آگئے — نند اور جسمت کو سب دینے بدھائیاں آگئے

نند کے گھر ہو گیا آنند سب کہنے لگے
شادیانے اور باجے ہر طرف بجنے لگے
اک سمندر تھا خوشی کا مارتا ٹھاٹھیں وہاں
تھا یہی نند وتسو، خوشیوں کا بحرِ بیکراں
تھی یہ آمد نند نندن مُرلی دھر گوپال کی
بھگت وتسل شیام سُندر راس پربھو کرپال کی

نوٹ:۔ یہ پرچہ ماہ اگست اور ستمبر دو ماہ کا تصوّر کیا گیا ہے۔ ماہ ستمبر کا کوئی علیحدہ پرچہ شائع نہیں ہوگا۔ ماہ اکتوبر کا پرچہ یکم اکتوبر ۱۹۶۱ء کو شائع ہوگا۔

منیجر "ادم" دہلی

رکشا بندھن اور جنم اشٹمی

از قلم:- شری فتح چند جی نسیم

رکشا بندھن ہمیشہ (شراون) ماس کی پورنماشی کو منایا جاتا ہے۔ یہی سبب ہے۔ کہ اسے شراونی بھی کہتے ہیں۔ نیز اس کا نام سلونو۔ اپاکرم (یگیوپویت کے سنسکار) راکھی اور رشی ترپنی بھی ہے۔

سبھی جانتے ہیں۔ کہ اس شبھ اور پوتر دن بہنیں اپنے بھائیوں کو راکھی باندھتی ہیں۔ اگر باہر ہوں تو ڈاک سے بھجواتی ہیں۔ اس روز برہمن بھی اپنے یجمانوں کو راکھی باندھتے اور ان سے دان میں کچھ نہ کچھ لیتے ہیں۔

یہ کون نہیں جانتا۔ کہ سدا چار کا آدھار نر ناریوں کے پوتر وچاروں اور سیتم پر منحصر ہے۔ اس لئے یہ تیوہار اُس پاکیزہ محبت اور سچے پریم کو سورکھشت رکھنے کے لئے ہی منایا جاتا ہے۔

جن عورتوں یا مردوں کا اخلاق نشٹ ہو جائے۔ سماج اور دیش میں وہ پلیگ زدہ چوہے اور زہریلے سانپ سے بھی بڑھ کر خطرناک ہوا کرتے ہیں۔

رکشا بندھن کا حقیقی مقصد یہ ہے۔ بہنوں کی عزت و آبرو۔ مال و جان کی حفاظت کا ہر سال عہد تازہ کیا جائے۔ دیوان تصور کا یہ کہنا بالکل درست ہے ؎

مجھ پہ لازم ہے میرے بھائی حفاظت میری + رکھشا بندھن تجھے یہ فرض جتانے آیا

ہندوستان کی تاریخ ہمیں پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔ کہ یہی وہ کچے تاگے تھے۔ جو شہنشاہ ہمایوں کو ایک مظلوم راجپوتنی رانی کی حفاظت کیلئے بنگال کا میدان جنگ چھڑا کر راجستھان کے ریگستانوں میں لائے تھے۔ اُس زمانہ میں اگر ریلیں اور ہوائی جہاز ہوتے۔ تو یقیناً ہمایوں اپنی منہ بولی بہن کی امداد زیادہ تیزی اور آسانی سے کرسکتا تھا۔ مگر افسوس ایک طویل مسافت کے سبب وہ وقت پر نہ پہنچ سکا۔ اتنے میں بیچاری رانی اپنے منہ بولے بھائی ہمایوں کا راہ دیکھتے دیکھتے مسلمان حملہ آور کے ہاتھوں پڑنے کی بجائے موت سے ہمکنار ہو چکی تھی۔ اگر ہمایوں کو اپنی کوششوں میں ناکام رہنے کا ازحد رنج ہوا۔ تاہم حملہ آور مسلمان نواب سے رانی کا قلعہ چھین کر اُس کی اولاد کو واپس دلا دیا تھا۔

یہی چند تاریں تھیں۔ جو اورنگ زیب کی ہندو رانی نے اوڑچھے کے راجکمار چھتر سال کو بھیج کر اپنے سہاگ کو اُسکی بہن کے وار سے بچا لیا تھا۔

جھانسی کی مہارانی لکشمی بائی نے بھی ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کے دوران نواب باندہ کو راکھی بھجوائی۔ جس کے پہنچنے پر نواب موصوف نے بھی جنگ مذکور کی آگ میں کود کر

انگریزوں کو خوب لوہے کے چنے چبوائے اور اُن کے دانت کھٹے کئے تھے۔
مُغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار ظفر بادشاہ کے دادا سے لیکر اُس کے زمانہ تک ایک ہندو گھرانہ کی دیویاں راکھی رسم ادا کرتی رہیں اور یہ بادشاہ اُنہیں دل کھول کر زر و زیور سے مالا مال و نہال کرتے رہے مگر گردش زمانہ سمجھئے یا مشیئت تقدیر کے کرشمے۔ کہ ہندو مسلمانوں کے یہ پاکیزہ رشتے انگریزوں کے زمانہ میں درہم برہم ہو گئے۔ بلکہ نوبت یہاں تک پہنچی۔ کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بنے اور اپنے پیارے دیش کو ٹکڑے ٹکڑے کرا ڈالا۔
اِس سے بڑھ کر یہ ریاکاری، ناقابل معافی اور ناقابل برداشت کہ زمانہ کی آنکھوں میں دُھول جھونکنے کے لئے اکثر طالب و مطلوب بہن بھائی کے پوتر سمبندھ کی آڑ میں شکار کھیلتے ہیں۔ ہمارے مُلک . . کے ریفارمر اور سماج سدھارک سجن شاید اُس وقت اس طرف دھیان دیں گے۔ جب پانی بے حد سر سے گذر جائیگا مگر سہ
مانو نہ مانو جاں جہاں اختیار ہے * ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں
اِس بار راکھی کا تیوہار شراون کی بجائے بھادوں کی چار مطابق ۲۶ راگست ۱۹۶۱ء کو ہے۔

دُوسرا اُتسو جنم اشٹمی

رکھشا بندھن والی شراون پورنیما کے بعد بھادوں کی اشٹمی کے روز منایا جاتا ہے۔
بقول مہتہ امرناتھ صاحب موہن (بی۔اے۔ ایل ایل بی ایڈوکیٹ) سہ
بھگوان کرشن کا ہُوا جس رات کو ظہور! * اُس رات کا ہے نام جنم اشٹمی کی رات
(اس بار یہ دن یکم ستمبر ۱۹۶۱ئہ کو ہے)
وہ زمانہ ہماری آنکھوں دیکھا زمانہ ہے۔ جب بھگوان کرشن اور اُس کی لیلاؤں کا مضحکہ سر بازار اُڑایا جاتا تھا۔ اور مغربی تہذیب و تمدن کے دلدادگان کھلے طور نکتہ چینی کرتے تھے۔ لیکن پھر ایک ایسا زمانہ آیا کہ صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ تمام دُنیا نے بھگوان کرشن کی عظمت اور اُس کی گیتا کا فلسفہ بسر و چشم قبول کیا *
آج اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جس قدر عزت و احترام ہر مُلک میں بھگوان کرشن اور گیتا کا پایا جاتا ہے۔ اُس کے مقابلہ میں کسی اور اوتار یا مہا پُرش کا دکھائی نہیں دیتا۔ بیشک بھگوان رام کی عزت و منزلت بھی دوسرے اوتاروں سے کم نہیں۔ مگر یہ دونوں اوتار کھشتری ونش سے تھے۔ حالانکہ ورنا دوستھا کے انوسار کیول برہمنوں ہی کی پدوی سب سے اُونچی مانی جاتی ہے پھر بھی بڑے سے بڑے برہمن دیوتا رام اور کرشن کے اپاسک اور پجاری ہیں۔ اور ان دونوں کی مورتیاں

کی پوجا دل و جان سے کرتے ہیں۔

بھگوان کرشن نے خواہ اسّی برس کی عمر پائی تھی۔ تو بھی ہر جگہ اس کی تصویریں بال اوستھا کی ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ خوبی کس قدر قابل ذکر ہے۔ کہ بھگوان کرشن کے تک بھگ ستر نام ہیں زمانہ دراز سے ہر ہندو پریوار میں رام اور کرشن کے ناموں کی بھرمار پائی جاتی ہے۔

اگرچہ آریہ سماجوں کے پرچار سے ناموں کی دنیا میں بہت حد تک پریورتن (انقلاب) آچکا ہے۔ تو بھی کسی نہ کسی پہلو رام اور کرشن کے ناموں کی مہانتا بدستور قائم ہے۔

تاریخ ہند کی رو سے بھگوان کرشن کا زمانہ آج سے پانچ ہزار برس پہلے کا تسلیم کیا گیا ہے یہ درست ہے یا غلط۔ اس بات سے سر دست کوئی بحث نہیں لیکن یہ ایک ناقابل انکار سچائی ہے۔ کہ بھگوان کرشن کی تعلیم آج تک تمام دنیا کے لئے مشعل راہ بنی ہوئی ہے۔

بھگوان تلک۔ یوگیراج اروند گھوش۔ مہاتما گاندھی، شریمتی اینی بسنت۔ چکرورتی راج گوپال آچاریہ وغیرہ نے مختلف زاویہ نگاہ سے گیتا کا فلسفہ سنسار کے سامنے پیش کیا ہے۔ یہ کس قدر مزے کی بات ہے۔ کہ اکثر طبقوں میں ضرورت وقت کے مطابق ہتھیار سنبھالنا، گیتا کی تعلیم کے مطابق پرم دھرم مانا گیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس مہاتما گاندھی نے "عدم تشدد" پر اپنا عقیدہ گیتا کی بنیاد پر ہی رکھا تھا۔

مہاتما گاندھی کے جانشین پنڈت جواہر لال نہرو بھی گیتا کی عظمت اور ہر دلعزیزی کا اثر گہرے طور پر اپنے دل میں رکھتے ہیں۔

جب لارڈ کرزن نے بنگال کے بٹوارہ کا اعلان کیا تھا۔ تو بنگال کے نوجوانوں نے یہ بٹوارہ کسی قیمت پر بھی قبول نہیں کیا تھا۔ اس لئے بٹوارہ کی تنسیخ کے لئے انہیں صرف یہی ایک راستہ سوجھائی دیا کہ وہ بموں کے ذریعہ انگریزی راجیہ کی جڑیں ہلا دیں۔ چنانچہ رولٹ صاحب نے کھلے لفظوں میں اسباب کا اعتراف کیا کہ بنگال کے انقلابی نوجوانوں کو گیتا کی تعلیم کے زیر اثر شہید ہو جانے پر آمادہ کیا گیا۔ وہ جب کسی انگریز کو موت کے گھاٹ اتارنے کے جرم میں پھانسی پر لٹکائے جاتے تھے۔ تو وہ گیتا کو اپنے گلے میں لٹکائے ہوئے ہوتے تھے۔

مولانا ظفر علی نے بھی ایک بار یہ ارشاد کیا تھا ؎

اگر کرشن کی تعلیم عام ہو جائے
تو کام فتنہ گروں کا تمام ہو جائے

اب اس سے زیادہ مزید عرض کرنا بے سود ہے

اب تو چلتے ہیں بت کدہ سے میر
پھر ملیں گے۔ اگر خدا لایا

"شریمد بھگود گیتا اور بھگوان"

شری جگن ناتھ کھنہ صفی ۔ بی ۔ اے ۔ بی ۔ ٹی برندابن نواسی

شریمد بھگود گیتا ہندو دھرم کا ایک سروسریشٹ گرنتھ ہے ۔ جو مہتا اور گورو اسے پراپت ہے ۔ شاید ہی کسی اور دھرم گرنتھ کو پراپت ہوگی ۔ اس کا کارن سپشٹ ہے ۔ کیونکہ شری بھگوان نے سوئینگ اس بھیانک کاپان اپنے پریہ متر اور شردھالو بندھو اور بھگت ارجن کو کرا کر اسے پتھ بھرشٹ ہونے سے بچایا اور اُسے قیدھ کرنے کے لئے پریرت گیا ۔ واستو میں یہ اُپدیش پرانی ماتر کے لئے ہی کلیان کارک ہے ۔ اگرچہ کیا یہ ارجن کے پرتی ہی گیا تھا ۔ بھگوان وید ویاس جی نے اسے مہا بھارت پران میں لیپی بدّھ کر کے پرانی ماتر پر بڑا احسان کیا ہے ۔ ورنہ وہ اس سے ونچت رہ جاتے ۔ یاد رہے کہ بھگوان اور ارجن کے اس سنواد کو اُپنشد کا درجہ دیا گیا ہے ۔ نہیں، بلکہ اس سے بھی اُونچا، کیونکہ یہ ایک ہی اُپنشد نہیں ہے بلکہ ساری اپنشدوں کا نچوڑ ۔ اس لئے ساری اپنشدوں کے سار روپ اِس گرنتھ کو جو اُچیتہ اور سریشٹتا پراپت ہے کسی اور میں نہیں ملتی جن مارک گتھیوں کو اس سات سو شلوکوں پر مشتمل گرنتھ میں سُلجھایا گیا ہے، اور اس سرلتا اور خوبی سے، کہیں اور دیکھنے میں نہیں آتیں ۔ آیئے آج ہم چند ایسے پرشنوں کے اُتر شری گیتا کے آدھار پر دینے کی کوشش کریں ۔ جو ہر روز ہمارے سامنے آتے ہیں ۔ بجائے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے ہم سوئینگ بھگوان کے اپنے کہے ہوئے شبدوں میں ہی ان کا اُتر ڈھونڈیں گے، جن میں کنچت ماتر بھی سنشے کی گنجائش نہیں :-

ہمارا پہلا سوال ہے کہ بھگوان کیا ہیں؟

بھگوان ہمارے سامنے دو رُوپوں میں پرگٹ ہو رہے ہیں، ایک ادیکت، یا نرگُن ۔ دوسرے ویکت یا سگُن ویکت روپ میں وہ جسودا نندن ۔ گوپی بلبھ ۔ برج بہاری، نند کمار ۔ مراری ۔ گردھاری اور گوپال کہلاتے ہیں اور اس روپ میں طرح طرح کی لیلائیں کر کے اپنے بھگتوں کو آنندت اور کرتارتھ کرتے ہیں ۔ اسی رُوپ میں وہ مور مُکٹ آدی دھارن کر سسجت اور وبھوشت ہو کر اپنے بھگتوں کو درشن دیتے ہیں ۔ اُن کے دُکھ اور کلیش ہرتے ہیں، دُشٹوں کا سنگھار کرتے ہیں ۔ اور سب پر اپنی موہنی ڈال کر آپ الگ ہو جاتے ہیں ۔ جن کے ونشی وادن سے برجانگنائیں تو کیا بن کے پشو پکشی اور برکش اور سوئینگ جمنا جی بھی پربھاوت ہو کر اپنی گتی بھول جاتیں ۔ اندر اور برہمادی دیوتا جن کے درشن سے موہت ہو کر وسمت ہو جاتے اور ایسی حرکتیں کر بیٹھتے ۔ جن کے لئے بعد میں انہیں گھور پشچاتاپ کرنا پڑتا ۔ برج گوپیوں کے گھر جا کر ماکھن چُراتے ۔ گوال بالوں سے طرح طرح کے کھیل کھیلتے ۔ اور کنس کے بھیجے ہوئے اسروں

کو کھیل کھیل میں ہی ختم کر دیتے۔ برج باسیوں کے بھاؤ کے انوسار وہ اب بھی اِس طرح سے برج میں بہت وہار کر رہے ہیں۔ ایک کھشن کے لئے بھی برج سے باہر نہیں جاتے۔ ان کے برج سے باہر جانے کا خیال وہ سہن نہیں کر سکتے۔ وہ سرو شکتی مان ہیں۔ کیا نہیں کر سکتے۔ اپنے بھگتوں کو سکھ پہنچانے کے لئے بدی بال رُوپ میں وہ اب بھی اس طرح سے برج میں باس کر رہے ہوں تو کیا تعجب ہے۔ پرنتو اس سچائی سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ برندابن سے متھرا پدھارے۔ وہاں کنس کا بدھ کیا اور پھر جراسندھ جیسے مہان پراکرمی اور چکرورتی راجہ سے لوہا لیا اور موت کے گھاٹ اُتار کر دیش میں دھرم کا راجیہ ستھاپت کیا ددارکا ادھیش بنے، مہابھارت کے یُدھ میں ارجن کے رتھبان بنکر اُس سے وہ کام کرایا جو اُن کے بغیر وہ کبھی نہ کر سکتا۔ اسیطرح سے انیک لیلائیں کر کے وہ اپنے نج دھام کو پدھار گئے، ہم ان کی ان لیلاؤں کے واستوک تتو کو نہیں سمجھ سکتے پھر بھی ہیں وہ پڑھ سُنکر اور دیکھکر ایک اور نرنیہ (ناقابل بیان) آنند کی پراپتی ہوتی ہے۔ اِن کے دوسرے رُوپ میں ارتھات ادیکت یا نرگن رُوپ میں ہم اِن کے درشنوں سے کرتارتھ نہیں ہو سکتے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ سگن رُوپ میں آتے ہی کیوں، جو کٹھنائی اِس رُوپ کے درشنوں میں ہوتی ہے۔ آپ خود ہی اِسکا گیتا بھگوتی کے بارہویں ادھیائے میں اس طرح ورنن کرتے ہیں۔

کلیشو ادھک ترستے شام، ویکتا سکت چیتام

ادیکتا ہی گتہ دُکھنگ دیہہ دو بھرواپیتے !! (۵/۱۲)

ارتھات اُن سچد انند گھن نراکار برہم میں آسکت ہوئے چت والے پُرشوں کے کلیش یا پرشرم وشیش ہیں۔ کیونکہ دیہہ ابھیمانی پُرشوں سے ادیکت وشیک گتی دُکھ پوروک پراپت کیجاتی ہے جس کا آسان لفظوں میں یہ بھاوارتھ ہے۔ کہ شریر دھاری پُرشوں کے لئے ادیکت برہم (نرگن پرماتما) کا چنتن آسان نہیں ہے۔ بڑے دُکھ اور کلیش سے انسان اُسے پراپت کرتا ہے۔ یعنی حقیقتاً نرگن پرماتما کا رُوپ ہمارے تصور میں ہی نہیں آسکتا۔ نہ اُس کی کوئی شکل نہ صورت، نہ ہاتھ نہ پیر اور نہ ہی کوئی وشیش ستھان رہنے کا، تو وہ ہمیں نظر آئے تو کس طرح سے۔ وہ اُن دیکھنے والوں کو جو ان ظاہری آنکھوں سے ہی اُنکا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سراسر ناممکن ہے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ہی بھگوان کسی اوتار کے روپ میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ گیانی پُرشوں کو بھی بڑے تپن سے نرگن پرماتما کے درشن ہوتے ہیں۔ اور وہ بھی بدھی یوگ سے اور کسی سادھن سے نہیں۔ یہ ہوتے ہوئے بھی بھگوان اپنے نرگن رُوپ کے درشنوں کو سگم کرنے کے لئے شریمد بھگود گیتا میں اس طرح اپدیش دیتے ہیں۔

اہم کرتر اہم یگیہ، سودھاہم اہم اوشدھم ٭ منتر اہم اہمید آجیم اہمگنر اہم ہتم !! (۹/۱۶)

پتا اہم سیہ جگتو دھاتا پتا مہا ٭ ویدیم پوتر مونکار، رگ سام یجور یوچیہ (۹/۱۷)

ارتھات سمارت کرم (جن کا سمرتی شاستروں میں ورنن ہے) پتروں کو دیئے جانے والے انیہ سودھا پنچ مہا یگیہ اوشدھی، سب بنسپتیاں، اگنی اور گھرت اور ہون رُوپ کریا بھی میں ہی ہوں۔

جگت کا پتا اور ماتا بھی میں ہی ہوں، اس کو سنبھالنے والا اور اس کا پتامہ بھی میں ہی ہوں۔ یہ

ہی پوتر اونکار (اوم) شبد ہوں جو جگت کو پوترتا پردان کرتا ہے۔ اور میں ہی رگ وید ہوں، سام وید ہوں اور یجر وید بھی میں ہی ہوں۔

اسی ادھیائے کے ۲۴ ویں شلوک میں آپ فرماتے ہیں کہ میں ہی تمام یگوں کا بھوگتا ہوں اور پربھو بھی میں ہی ہوں لیکن دیوتاؤں کو پرسن کرنے کے لئے یگیہ کرنیوالے مجھے تتو سے نہیں جانتے اس لئے ان کا پتن ہو جاتا ہے۔ جس کا صاف طور پر یہ ابھیپرائے ہے۔ کہ بھگوان کو تتو سے جاننا ہی واستو میں ٹھیک ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے اور بھول میں ادھر ادھر کی کریاؤں میں منشیہ لگا رہے تو اسکو پراپت نہیں ہو سکتا۔ ہو بھی کیسے جب اس کے لئے اس نے کوئی سادھن ہی نہیں کیا۔ وہ سادھن ہے ان کو یتھارتھ روپ میں جاننا اور تتو سے سمجھنا اس کے متعلق آپ چوتھے ادھیائے کے نویں شلوک میں پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ:۔

جنم کرم چ مے دویم ایوم یو ویتی تتوتہ !
تیکتو ادیہم پنر جنم نیتی، مامیتی سو ارجن

ارتھات جو میرے جنم اور کرم کو تتو سے جانتا ہے، اور یتھارتھ روپ سے اسے سمجھتا ہے وہ شریر چھوڑنے کے بعد سیدھا مجھے ہی پراپت کر لیتا ہے۔ اور جنم مرن کے بندھن سے بالکل چھوٹ جاتا ہے۔

بھگوان دیکت یا سگن روپ میں کیوں آتے ہیں؟ اس وشے پر اسی لیکھ میں پہلے ہی کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن اب اس کا جواب شری بھگوان کے اپنے ہی لفظوں میں دیا جاتا ہے:۔ وہ بھومنڈل پر اپنے آگمن یا اوترن کا کارن یوں بتاتے ہیں:۔

یدا یدا ہی دھرمسیہ گلانیر بھوتی بھارت + ابھیتھان مدھرمسیہ تدا تمانم سرجامیہم !
پری ترانائے سادھوناں وناشائے چہ دشکرتام + دھرم سنستھاپنارتھائے سمبھوامی یگے یگے !!

ارتھات ہے بھارت (ارجن) جب جب دھرم کا ناش ہو جاتا ہے۔ تب تب میں دھرم کو پھر اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لئے پرتھوی پر آتا ہوں میں یگ یگ میں دھرم کو دوبارہ قائم کرنے کے لئے سادھو یا بھلے پرشوں کی رکھشا کے لئے اور دشٹوں کا سنگھار کرنے کے لئے آیا کرتا ہوں، آپ یہ تو خود ہی فرماتے ہیں کہ وہ اوتار کیوں دھارن کرتے ہیں لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ وہ دیکت روپ دھار کر اپنی مایا سے سب کو موہت کر دیتے ہیں اور اصلی سروپ کو سمجھنے ہی نہیں دیتے۔ جس کے بغیر ہم بھٹکتے رہتے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہو جائے تو ان کو اپنا مشن پورا کرنے میں کئی بادھائیں یا رکاوٹیں پیدا ہو جائیں۔ ماتا یشودا اور نند جی کو اور اسی طرح اپنے سکھا ورند کو انہوں نے یہ معلوم نہیں ہونے دیا کہ وہ تینوں کی ناتھ سرب اشوریہ کے مالک سو نبگ بھگوان ہیں۔ وہ تو انہیں اپنا سکھا ہی سمجھتے رہے۔ گووردھن پہاڑ کو جب انہوں نے سات دنوں تک اپنی ایک انگلی پر اٹھائے رکھا جو ایک معمولی منشیہ کی طاقت سے باہر ہے تو بھی آپ کے سکھاؤں نے یہی سمجھا کہ پہاڑ کو ہم نے اپنی لاٹھیاں کھڑی کر کے تھامے رکھا تھا ہماری سہایتا کے بغیر بھلا کرشن اکیلا پہاڑ کو کیسے اٹھا سکتا تھا۔ اسکو تو وہ اپنے سکھا روپ میں ہی دیکھتے تھے۔ یہاں انہوں نے کئی بار اپنی الوکک شکتیوں اور پربھوتا کا پرچے بھی دیا، یہی کارن ہے کہ ایسے سمپردائے بھی پرچلت ہو گئے جو ان کی ان لیلاؤں کو مہتو نہیں دیتے۔ جن میں انکے اشوریہ کی جھلک آتی ہو، ان کے خیال میں وہ برجباسی تھے اور برج باسیوں کے سکھا۔ یہ بھگوان کی مایا ہی تھی جس سے وموہت ہو کر میا جسودا اور نند جی انہیں اپنا پتر ہی

سمجھتے تھے اور گوال بال انہیں اپنا برج باسی۔

یشودا امیّا نے آپ کو مٹی کھانے سے روکا، کہنے لگے کہ میں کب کھاتا ہوں، اچھا تو اپنا مُنہ کھول کر دکھاؤ، جب آپ نے اپنا مکھار بند کھولا اور ماتا نے اس میں درشٹی ڈالی تو جھٹ بھیدت ہو گئی کیونکہ وہاں تو اسے سارے وشو کے درشن ہو رہے تھے۔ دریا تھے۔ پہاڑ تھے۔ جنگل تھے۔ اُسے یہ انوکھا درشیہ دیکھ کر بھگوان کے ایشوریہ کا خیال تو نہ آیا لکہ یہ سوچنے لگی کہ میرے بالک پر کسی بھوُت پریت کا آسیب ہے۔ یا اسے نظر لگ گئی ہے۔ اب اسکی سُرکھشا کیلئے گنڈے تعویز بنوانے کی چیشٹا کرنے لگی۔ یہی تو بھگوان کی مایا تھی، جس سے وہ اچھادت رہتے ہیں۔ اب اِن کو تتو سے دیکھا جائے۔ تو کیسے؟ یہ تو وہی بات ہوئی کہ درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش۔

پانی میں کھڑا ہونے کی آگیا دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ چیتاونی بھی کہ دیکھنا کہیں اپنے کپڑے نہ بھگو بیٹھنا کتنی مزے کی بات ہے یہ لیکن اس کے بغیر چارہ بھی تو نہیں، وہ پاس ہوتے ہوئے بھی دُور ہیں۔ اور دور ہوتے ..... بھی پاس۔ بات اِن کے تتو گیان سے ہی پراپت ہو سکتی ہے۔ انیتھا نہیں، آئیے اب یہ معلوم کریں کہ بھگوان کو تتو سے جاننا ہے کیا؟ اور اِس کا پھل کیا ہے؟

اِس کا مطلب ہے بھگوان کو یتھارتھ رُوپ سے جاننا، یعنی واستو میں جو وہ ہیں، وہ جنم لیکر بھی اجنما ہیں سارے سنسار کی رچنا کرتے ہیں، اس کے ماتا پتا اور دھاتا ہیں اور پھر بھی اکرتا، اُس سے بالکل الگ رہکر کسی کرم سے لپائمان نہیں ہوتے، یعنی کرم کرتے ہوئے بھی نہیں کرتے انہیں سنسار سے کوئی آسکتی نہیں ہے، ایسے پربھو پرماتما کا جن کے سمان ہمارا اسہرد اور پریمی اور ہیت یا دل کوئی دُوسرا نہیں ہے، پُرش اننیہ پریم سے (یعنی ایسے پریم سے جیسا اور کسی سے نہ ہو۔) نرنتر چنتن کرتا ہے۔ اُٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، انہیں کے خیال اور انہیں کی یاد میں لین رہتا ہے۔ اور اسکی رہت سنسار میں ورتتا ہے۔ ارتھات کسی دستو سے وشیش لگاؤ نہیں رکھتا اور نہ ہی اُسے کسی چیز کی پراپتی کی اچھا ہوتی ہے۔ اگر کوئی چیز مل گئی تو بہتر نہ ملی تو کوئی شوک نہیں ہے۔ ایسی برتی بنا لینا ہی پربھو کو تتو سے جاننا ہے۔ اور ایسے پُرش کے لئے بھگوان فرماتے ہیں کہ وہ شریر کو تیاگ کر پھر جنم کو پراپت نہیں ہوتا، سنسار تو تینوں گنوں۔ ست رج۔ تم سے موہت ہو رہا ہے۔ اور اِن تینوں گنوں سے پرے مجھ ادناشی تتو کو نہیں مانتا، پرنتو جو پُرش نرنتر مجھے ہی بھجتے ہیں، وہ اس مایا کو جو بڑی دُشتر ہے اُلنگھن کر جاتے ہیں یعنی سنسار سمندر سے تر جاتے ہیں۔ اور یہی اِن کو تتو سے جاننا ہے، جو کیول گیانیوں کے حصہ میں آیا ہے۔ کیونکہ گیانی بھگت تو ایک ہی بھاو سے نیتیہ بھگوان میں سمبحت رہتے ہیں۔ برخلاف اِس کے بُدھی ہیں، اگیانی جن سچدانند گھن پرماتما کو منشیہ کی بھانتی جنم لینے والا مان کر ہی بھوُل میں پڑے رہتے ہیں اور اُنکی اصلیت یا تتو کو نہیں سمجھ پاتے اور اندھیرے میں رہتے ہیں، اور بار بار جنم لیتے ہیں۔ سرشیشٹ کرم کرنیوالے جگیاسو بھگتوں کو بھگوان سا شاستا دیتے ہیں کہ ایسے پُرش راگ دویش آدی دوندوں سے رہت ہو کر جو سب پرکار سے مجھے ہی بھجتے ہیں۔ اور میری ہی شرن اور آسرا لیکر جنم مرن کے بندھن سے چھوٹنے کیلئے یتن کرتے ہیں۔ وہ پُرش اِس تتو

۵ کو سمجھ کر میرے آتم رُوپ کو جان لیتے ہیں۔ اور شریر چھوڑنے کے بعد مجھے ہی پراپت ہوتے ہیں۔

دی نیو بنک آف انڈیا لمیٹڈ

ہیڈ آفس ـــــ نیو دہلی

31-12-60 کی پوزیشن

ادا شدہ سرمایہ	14,93,000
ریزرو اور سرپلس	33,72,000
ڈیپازٹ	4,23,00,000
کیش و دیگر ذرائع	1,99,95,000

شرح سود

فکسڈ ڈیپازٹ ـــــ $4\frac{1}{4}$ تا $5\frac{1}{2}$ فیصدی ۔ عرصہ کے مطابق

سیونگ بنک ـــــ 3 فیصدی ۔ رقم چیکوں سے نکلوا سکتے ہیں

شارٹ ٹرم ۔ کال اور کرنٹ ڈیپازٹ ۔ بموجب انتظام

3 سالہ کیش سرٹیفکیٹس پر شرح سود $5\frac{1}{2}$ فیصدی

برانچیں

دہلی :۔ چاندنی چوک ۔ سبزی منڈی

نئی دہلی :۔ جن پتھ ۔ ای بلاک کناٹ سرکس ۔ کے بلاک کناٹ سرکس ۔ قرول باغ
جنگ پورہ ایکسٹنشن ۔ راجندر نگر

پنجاب :۔ امرتسر ۔ جالندھر ۔ لدھیانہ ۔ چنڈی گڑھ ۔ روہتک ۔ بنگہ منڈی (جالندھر)
فرید آباد ٹاؤن شپ ۔

ہماری راجندر نگر ۔ جنگپورہ ایکسٹنشن ۔ سبزی منڈی ۔ لدھیانہ ۔ چنڈی گڑھ ، رہتک اور فرید آباد ٹاؤن شپ ۔ برانچوں میں لاکرز دستیاب ہیں ۔

ڈی ۔ آر ۔ تلی سیکرٹری ۔ ایم ۔ آر ۔ کوہلی منیجنگ ڈائرکٹر

میراں

میرے تو گردھر گوپال دوسرا نہ کوئی!

پریم بھگتی کی جس بلند فضا میں بھگتنی میراں بائی نے پرواز کیا ہے۔ اس کی مثالیں کمیاب ہیں۔ آپ کا جنم مہارانا رتن سنگھ راٹھور جودھپور کے ہاں سمت ۱۵۶۰ میں ہوا۔ اس وقت مہاتما ریداس جی کی مہانتا اور کیرتی کی گونج بھارت ورش میں پھیل رہی تھی۔ اور بڑے بڑے راجہ مہاراجہ ان سے بھگتی یوگ کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ مہارانی جھالی چتوڑ کی رانی بھی اِن کے شِشوں میں سے تھی۔

جودھپور اور چتوڑ کی آپس میں رشتہ داریاں تھیں۔ اس سلسلہ میں مہارانی جھالی کو ایک بار چتوڑ سے جودھپور آنے کا اتفاق ہوا اور وہ شاہی محل میں ٹھہریں۔ مہارانی جھالی کے پوجا پاٹھ اور بھگوت پریم کا میراں بائی پر خاص اثر پڑا۔ گو اِن دنوں میراں بائی کی عمر کچھ بہت زیادہ نہ تھی۔ لیکن وہ مہارانی جھالی کے رنگ سے اتنی زیادہ متاثر ہوئی۔ کہ ساری سُدھ بُدھ وِسر گئی۔ اور دل میں پرماتما کی بھگتی اور پریم کی ترنگ اُٹھنے لگی اور آخر مہارانی جھالی کی وساطت سے وہ بھی مہاتما ریداس کے روحانی دربار سے فیض حاصل کرنے کے لئے آ گئیں ہی اور اپنا اِشٹ سُندر شیام بھگوان کرشن کو بنایا ✦

مہارانا رتن سنگھ کو میراں بائی کی یہ روش نہ صرف ناپسند ہی آئی۔ بلکہ اُسے سخت تشویش پیدا ہوئی۔ اور اس نے اپنی عزت بچانے کی خاطر سمت ۱۵۷۲ میں سنور بھوجراج سے میراں بائی کی شادی کر دی۔

لیکن وہاں تو دیوانگی اور تھی۔ یہ سطحی علاج وہاں کیا کارگر ہو سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ میراں بائی کا جو بھگوت پریم پہلے اپنے گھر میں چُپکے چُپکے نشوونما پا رہا تھا۔ وہ شادی ہونے پر کھلے ہوئے پھول کی خوشبو کی طرح چاروں اطراف میں پھیل اُٹھا۔ اور میراں بائی نے صاف الفاظ میں اپنے پتی کو کہہ دیا کہ مہاراج! میرا پتی تو اوہے ہیں تو گردھر گوپال کی داسی ہوں۔ میں تو اُس سانورے کے رنگ میں رنگی ہوئی ہوں۔ آپ بھی اُس کے پریمی بن کر جیون کا آنند لیجئے۔"

اس سے اُس کے پتی کو اور بھی سخت رنج ہوا۔ اور اس نے اپنے دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ جس طرح بھی بن آئے میراں بائی کی جان کا ہی خاتمہ کر دیا جاوے۔ اس کے لئے تجاویز ہونے لگیں۔ ایک تجویز طے پائی کہ میراں بائی کی کھاٹ پر کوئی زہریلا سانپ چھوڑ دیا جائے تاکہ یہ چارپائی پر پڑی پڑی ہی ختم ہو جاوے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مگر میراں نے سانپ میں بھی اپنے سانورے کا شیام رنگ دیکھنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سانپ بے سکت ہو گیا اور رانا کی یہ تجویز ناکامیاب ہوئی۔ اس کے بعد رانا نے زہر کا پیالہ میراں بائی کو ارسال کیا اور کہلا بھیجا کہ یہ سادھوؤں کا چرنامرت ہے۔ گو میراں سمجھ گئی۔ کہ اس پیالے میں زہر ہے۔ مگر اُس نے اپنے اِشٹ گردھر گوپال کا دھیان کرتے ہوئے اس پیالہ کو بھی غٹ غٹ چڑھا لیا۔ اور اُسے کچھ نہ ہوا۔

اس طرح کئی گھٹنائیں مہارانا اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے عمل میں آئیں۔ لیکن سب بے سود ثابت ہوئیں بیان کیا جاتا ہے کہ گوسوامی تلسی داس جی سے بھی پرمارتھی معاملہ میں میراں جی کو خط وکتابت کا موقعہ ملا۔ اور گوسوامی جی نے آپ کی بانی سے خوب آنند لیا۔ بلا شبہ میراں بائی کی بانی میں جو رس ہے وہ مشکل سے کسی اور شاعر کے کلام میں ملیگا۔ جہاں زبان مونث ہے وہاں اس میں سوز و گداز بھی اس طرح کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ کہ پڑھتے ہی ایک پریمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پرسدّھ بھگتوں کی رائے ہے کہ بھگتی بھاؤ کے اظہار میں اس سے بہتر شاید ہی کسی بھگت کا کلام ہوگا۔ زبان میں زیادہ تر راجپوتانہ کے ہندی الفاظ آتے ہیں۔ پریم پرشاد کے طور پر اُن کے دو تین شبد ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

شبد ۱

رانا جی! میں گِردھر کے گھر جاؤں

گِردھر میرو سانچو پریتم، دیکھت رُوپ لبھاؤں
رَین پڑے تب ہی اُٹھ جاؤں، بھور بھئے اُٹھ جاؤں
رَین دِنا واکے سنگ کھیلوں، جیوں تیوں تیسے رِجھاؤں
جو پہراوے سوئی پہروں، جو دے سوئی کھاؤں
میری اُن کی پریت پُرانی۔ اُن بِن پل نہ رہاؤں
جہاں بٹھاوے تہاں ہی بیٹھوں، بیچے تو بِک جاؤں
جن میراں گِردھر کے اُوپر بار بار بَل جائیں

شبد ۲

اب تو نبھائے بنیگی بانہہ گہے کی لاج

سمرتھ سرن تمہاری سائیاں، سرب سدھارن کاج
بھو ساگر سنسار اپربل، جا میں تم ہو جہاج
نِردھارا آدھار جگت گُرو، تم بِن ہوئے اکاج
جُگ جُگ بھیر ہرے بھگتن کی دینی موکش سماج
میراں سرن گہی چرنن کی لاج رکھو مہاراج

شبد ۳

رانا جی! میں تو سانورے رنگ راچی

ساج سنگار باندھ گھنگرو، لوک لاج تج ناچی
گئی کُومت لئی سادھ کی سنگت بھگت رُوپ بھئی ساچی
گائے گائے ہری کے گُن نِس دِن کال بیال سوں بانچی
اُن بِن سب جگ کھاری لاگت اور بات سب کانچی

(ادم نمبر)

سانوری صورت سوں میرا من اٹکیو
کان کُنڈل مکرا کرت سوہے
اِک بن ڈھونڈ سگل بن ڈھونڈیا
ایک کہو کوؤ لاکھ کہو اب!
میراں کے پربھ گِردھر ناگر

کون جانے مورے گھٹ کی رے
بانکی سی لٹک مُکٹ کی رے
ڈھونڈت بن بن بھٹکی رے
لوک لاج سب پٹکی رے
گیل بنا دو بنسی بٹ کی رے

ॐ

سنکٹ موچن رام

از:- شری سنت ہری سنگھ جی ۱۱/۶ ایسٹ پٹیل نگر نئی دہلی

"تو سمجھتا ہے حوادث ہیں ستانے کے لئے
یہ ہوا کرتے ہیں ظاہر آزمانے کے لئے
سختیٔ بادِ مخالف سے نہ ہو حیراں عقاب
یہ تو چلتی ہے تیرے اونچا اُڑانے کیلئے
کامیابی کی ہوا کرتی ہے ناکامی دلیل
رنج آتے ہیں تجھے فرحت دلانے کے لئے

پچھلے سال کا واقع ہے کہ راقم کو بوجہ درد ریح ناقابل برداشت کشٹ تھا جملہ ایلوپیتھک ہومیو پیتھک اور آیورویدک علاج جب نکمے ثابت ہو چکے اور کوئی صورت شفا کی نظر نہ آئی تو بالکل مایوس ہو کر آخرکار بھگوت کو ہی اپنا معالج سمجھا اور انیتہ بھاؤ سے اُس کی شرن کو ہی اپنایا۔ مگر کیا کہنے تکلیف میں افاقہ تو در کنار اُلٹا کشٹ اور بھی بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ کئی دِن یہ شریر بستر ہی پر پڑا رہا۔ مگر جب اور چارہ نہ ملا اور سوائے الیشور شرن کے دُکھ سے چھٹکارے کی دیگر صورت نظر نہ آئی تو سمے پر آتر چت ہے بھگوت پر ایشن ہو کر آرادھنا اور پرارتھنا ہی کرتا رہا۔

ایک دِن جب کشٹ کی حد ہو چکی تھی اور مارے کلیش کے کچھ نہ سوجھتا تھا تو ایسی دُکھ کی حالت میں اِس کے مُنہ سے بے تحاشا ایسے الفاظ یکایک نکل گئے کہ شاید جس کے پاس اس قدر لمبی چوڑی دُعائیں کی جا رہی ہیں وہ کہیں موجود بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر فی الواقع موجود ہوتا تو آتر چت سے کی ہوئی پریم پکار ضرور سُنتا۔ گو مُصیبت زدہ دِل سے خود بخود ایسے شبد نکل گئے تھے مگر فوراً ہی دوسرے چھن کافی پشچاتاپ ہوا کہ یہ کیا کہہ دیا۔ یہ ٹھیک نہیں ہوا۔ ایسا کہنا واجب نہ تھا۔ بھلا وہ جس سے اِس وشال پرپنچ کی رچنا ہوئی ہے اور پھر نمت ہوا اُس کی تمام مریادہ قائم ہے کیونکر اُس کی ہستی سے اِنکار کیا جا سکتا ہے۔ یہ وہ اپنی ذات سے ضرور موجود ہے۔ بھلے ہی اس وقت نہیں سُنتا اور اس کے اندر یہ دکھشان جھد اُپنشد کی شرتیاں بھی فوراً یاد آگئیں :-

"नेदममूलं भविष्यति" ।
सन् मूला सौम्य इमा सर्वा प्रजा"

ارتھات بغیر مول کے یہ سنسار نہ ہوگا
"ست مول والی ہی یہ تمام پرجا ہے"

"यद् भूतयोनि परिपश्यन्ति धीरा:"। ارتھات جو تمام بھوتوں کا کارن ہے اور جسے دھیر پرش سمادھی میں دیکھتے ہیں +

"ऊ ध्र्वमूल अर्वाक्‌ शारवा"। "یہ سنسار برکھش پرماتما مول والا ہے اور اسکے نیچے شاکھا ہیں"

"एष योनि: प्रभावपययोहि भूतानाम्"। "تمام بھوتوں کی اُتپتی اور ناش کا ہیتو ہونے سے یہ پرماتما جگت کا کارن ہے"

یُوں تھوڑے میں ہی اِس بات کا تصفیہ ہو گیا اور من نے جانا کہ پرماتما ضرور موجود ہے مگر اتنے سے بھی تسکین مطلق نہ ہوئی کیونکہ کشمکش تو بدستور چل ہی رہا تھا۔ اس لئے جب تک اِس یقین سے کوئی خاص فائدہ جان کو نہ پہنچے اُس کی ہستی کا محض اقرار کرنا بھی کتنا کارگر ہے۔ لیکن جُوں ہی اس قسم کی کشمکش من میں چل رہی تھی عین اِس کے بعد ایک یہ خیال پیدا ہُوا کہ پرماتما گو ہستی تو رکھتا ہے مگر شاید دیوار کی مانند جڑ ہے۔ کیونکہ سُنتا سمجھتا کچھ نہیں۔ لیکن ایسا خیال بھی فوراً اُڑ گیا اور من سے آواز آئی کہ بھلا وہ جو تمام کائنات کو اپنی زندگی سے زندہ اور جملہ جڑ کو چیتن کر رہا ہے۔ وہ جڑ دیوار کی مانند مُردہ کیونکر ہو سکتا چنانچہ اِس میں بھی یہ ذیل کے کئی اُپنشد منتر بطور پرمان حاضر ہو گئے۔ جن سے پرماتما عین زندگی، عین نور اور عین علم ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ منتر یہ ہیں۔

"सत्यं ज्ञानमनन्तं ब्रह्म"। ارتھات۔ پرماتما ستیہ سرُوپ۔ گیان سرُوپ اور اننت ہے۔

"विज्ञानमानन्दं ब्रह्म"। " پرماتما وگیان سرُوپ اور آنند سروپ ہے۔

"प्रज्ञानं ब्रह्म"। " برہم عین پر گیان ہے۔

"सच्चिदानन्द मात्रं" " برہم ست چت آنند محض ہے

اِس کے بعد جو نیا خیال پیدا ہُوا اُس کے اندر یہ سوال تھا کہ اگر پرماتما بذاتِ خود موجود ہے اور عین علم اور عین زندگی بھی ہے تو پھر اس گنہگار کی پکار کیوں نہیں سُنی جاتی اور اِس کا دُکھ کیوں نہیں مٹتا جب کہ یہ استدعا ٹھیک تہ دِل سے ہی ہو رہی ہے تو اس کا جواب مِلا کہ وہ ست چت اور آنند محض ہو کر بھی شاید اس ناچیز سے لئے پریم یا پیار کا بھاؤ نہیں رکھتا اس لئے ہی کلیش سے خلاصی نہیں ملتی۔ مگر اس خیال کو بھی ایک دوسرے خیال نے فوراً رد کر دیا کیونکہ بھگوت بھگتوں نے اُسے پریم ہی بھی کہا ہے "God is Love" یہ اُن کا کہنا ہے۔ اس لئے یہ کب ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے پیاروں کے ساتھ پریم یا پیار کا بھاؤ نہ رکھے۔ نارد بھگتی سوتروں کے اندر تو ایشور کے متعلق یُوں دِکھلایا ہے کہ

"स कीर्त्यमानो शीघ्रमेवाविर्भवति अनुभावयति च भक्तान"। یعنی وہ بھگوان پریم پُوربک کیرتن ہو کر شیگھر ہی پرگٹ ہوتے ہیں اور اپنے بھگتوں کو منو واچھت پھل بھی پردان کرتے ہیں۔ علاوہ اِس کے

"येयथा मां प्रपद्यन्ते तांस्तथैव भजाम्यहम्।"

یعنی جو بھی مجھے جس بھاؤ سے آرادھنا کرتا ہے۔ میں اُسے اُسی بھاؤ سے پراپت کرتا ہوں ایسی شری کرشن جی کی پرتگیا شریمد بھگوت میں ہوئی ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اگر نشکام بھگت مجھے موکشش کے لئے آرادھن کرتے ہیں تو میں اُنہیں موکشش دیتا ہوں اور اگر سکام مجھے کسی ارتھ کے لئے یا دُکھ کی نورتی کے لئے بھجتے ہیں تو میں اُنہیں اُس اُس ارتھ کی پراپتی یا دُکھ کی نورتی کے دوارہ بھی پرسن کرتا ہوں ایسا نیم ہے۔ بجز اس کے ایک بات یہ بھی ہے کہ آنند سروپ ہو کر پرماتما پریم نہ رکھے ایسا کبھی ہو نہیں سکتا اور اُس کی آنند سرُوپتا تو ہم اُوپر اُپنشد کی شرتیوں سے بتلا ہی آئے ہیں۔ پس اختصار اس لمبی چوڑی وچار کا یہی ہے کہ پرماتما ست ہے۔ چت ہے آنند ہے۔ اور پریم مے بھی ہے +

لیکن ایسے اُوپر بتلائے ہوئے ادبھُت گنوں والا اگر ایشور موجود ہے تو یقیناً کوئی اور ہی وجہ ہوگی جس کے کارن اسی کا دُکھ نورت نہیں ہوتا چنانچہ غور خوض کرنے پر یہی ثابت ہوا کہ مندرجہ بالا گنوں کے علاوہ وہ نیائے کاری بھی ہے اسی لئے جب کرم کے پھل اُپھوگ کا سوال سامنے آتا ہے تو وہ پرماتما نِرد ے یا دِکھم جیسا معلوم ہو کر دکھلائی دیتا ہے۔ حالانکہ وہ ایسا ہرگز نہیں۔ اور اگر پوری غور کرکے دیکھا جاوے تو اُس کا نیائے کاری ہونا اور اُس کے مطابق کرموں کے پھلوں کو پردان کرنا بھی سِکھشا کی خاطر ہی ہے۔ اور اس سے اُس کے سچے پریم یا پیار پر دھبہ نہیں آتا۔ جس طرح ایک سرجن اوپریشن کے دوران میں بیمار کی اگرچہ چیر پھاڑ کرتا ہے۔ تو وہ اُس کا دُشمن نہیں ہو جاتا۔ ٹھیک اُسی طرح کرم پھل پرداتا ایشور بھی کرموں کے پھلوں کو دیتا ہوا جیو کا دُشمن نہیں ہو جاتا وہ ہمیشہ اُس کا پرم ہتیشی ہی رہتا ہے۔ اس لئے جان لو کہ جگت وِوستھا کو قائم رکھنے کے لئے اُس کا ایسا ہونا نہایت واجب ہے۔ اس لئے یہ ایک جنرل قاعدہ ہے کہ جیسا کوئی بوتا ہے ویسا ہی کاٹتا ہے۔ لہٰذا انسان پر یہی واجب ہے کہ وہ ہر فعل سوچ سمجھ کر ہی کیا کرے کیونکہ اُس کے پھل اُپھوگ میں وہ سوتنتر نہ ہوگا + شاستر کاروں نے کرم کے پھل کا اُپھوگ اوشیم بھاوی مانا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ کرم کا پھل کسی وجہ سے بھی کم و بیش نہ ہوگا۔

"नाभुक्त क्षीयते कर्म" ایسی سمرتی بھی سُنی گئی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ سُکھ دُکھ بھوگ کو نہ دے کر کرم کبھی بھی ختم نہیں ہوتا۔ پس یہی وجہ ہے کہ انیک اُپائے کرنے پر بھی اُس سے چھٹکارا نہیں ملتا۔ اس کے اندر بھی یہ ایک پُرانا اتہاس بھی ملتا ہے۔ کہتے ہیں کہ کرشن بھگتی کے دوران میں سُورداس بھگت کو ایک بار اتی سار کے دست لگ گئے۔ تکلیف بڑھتے بڑھتے اتنی بڑھی کہ بیچارہ اُٹھنے بیٹھنے میں بھی لاچار ہو گیا۔ اِدھر اندھا تھا کہ آنکھیں نہ تھیں اُدھر پاس میں خدمت گذاری کے لئے بھی کوئی دُوسرا موجود نہ تھا۔ بیماری اور کمزوری سے یہاں تک نوبت پہنچی کہ بستر پر ہی اُس کا پاخانہ اور پیشاب بہنے لگا۔ مگر کیا ہو سکتا تھا۔ جب اسی قسم کا ہی کرم بھوگ پھل دینے کو سنمکھ تھا ایسی نگفتہ بہ حالت میں اُس نے بھگوان کو آتر چت سے سمرن کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اُس کی بھگتی سے سنتشٹ

ہو کر خود بھگوان کرشن بھیس بدل کر کئی دن متواتر اُس کی سیوا کرتے رہے۔ مگر اُس نے اسے نہ سمجھا اور سیوا لیتا رہا۔ ایک دن اُس کے من میں آئی کہ بھلا اتنے پریم اور پیار سے اُس کی خدمت کرنے والا کون ہوگا۔ اُس نے سوچا اور شک کیا کہ کیا خود بھگت وتسل بھگوان کرشن ہی تو اسکی سیوا کے لئے نہیں آ گئے۔ چنانچہ اسے جاننے کے لئے اُس نے مضبوط ہاتھوں سے سری کرشن کو پکڑ لیا۔ اور کہا کہ بتلاؤ تم کون ہو۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم ساکھیات میرے اشٹ دیو بھگوان سری کرشن ہو کیونکہ اِس قدر گندی اور غلیظ سیوا اور وہ بھی متواتر کئی دن سوائے بھگوان کے دوسرا نہیں کر سکتا اِس لئے سچ سچ کہو کہ تم کون ہو۔ اس پر سری کرشن نے جواب دیا کہ تمہیں اِس پر کیا پوچھنا ہے کیا لینا ہے تم آنند پوروک سیوا لیتے چلو۔ مگر بھگت نے ضد کی اور اُنہیں مجبور کیا گیا کہ وہ اِس چھپے ہوئے راز کو ضرور ظاہر کریں۔ تب بھگوان نے اگرچہ اس پوشیدہ راز کو بار بار چھپانے کی کوشش کی مگر آخر کار اُنہیں سب بات صاف صاف کہنی ہی پڑی۔ اس پر بھگت راج نے دیاکل ہو کر بھگوان کے چرن پکڑ لئے اور ساتھ ہی نویدن بھی کیا کہ اے میرے پیارے بھگت وتسل بھگوان اگر آپ اتنی کٹھن سیوا اور وہ بھی اِس قدر غلیظ اور گندی اِس ناچیز کی کر رہے ہیں تو بھلا اسے شفا ہی کیوں نہیں دے دیتے۔ اِس پر سری کرشن نے جواب دیا کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا کیونکہ میں اپنے بنائے ہوئے نیموں کو بدلنا نہیں چاہتا لیکن تمہاری بھگتی کے آدھین ہو کر تمہاری خدمت گذاری تو کر دونگا مگر کرموں سے ہونے والے ادشیم بھاوی پھلوں کو بدلا نہیں جا سکتا اور ایسا میری سرشٹی میں نیم ہے۔ ناظرین یہ ہے کرم گتی کا عجیب سلسلہ کہ سکھشات ایشور کو بھی جس سور داس نے اپنا سیوک بنا لیا اُس کا بھی کرم پھل بھوگ سے چھٹکارا نہ ہو سکا۔ چنانچہ کیا ہی کسی انگریزی داں نے ایسے موقع پر کہا ہے۔

"Who saws must reap, they say, and cause must bring the sure effect, good-good, bad-bad, none escape the law."

گوسوامی تلسی داس جی نے بھی یہی بات رام چرت مانس کے اندر ہمیں بتلائی اور وہ چوپائی یہ ہے۔

"कर्म प्रधान विश्व रच राखा। जो जस करै सो तस फल चाखा"

پس کرم بھوگ کے سمکشش میں ہر ایک کا مستک جھک جاتا ہے۔ اور یہ ہی اس بنائے کاری نارائن کرم پھل پر داتا پرمیشور کا اس سنسار میں نیم ہے کہ "प्रारब्धकर्मणो भोगादेव क्षयः"

یعنی پراربدھ کرم کا بھوگ سے ہی کھے ہوتا ہے۔ اس کے اندر کسی دوسرے کا دخل نہیں۔

مگر پھر ایک سوال اِس موقع پر اُٹھتا ہے کہ تب تو دُکھ.... دُور تی کے لئے ایشور شرن لینا اُس کی آرادھنا کرنا اور پرارتھنا آدی سب بے معنی ہوئے۔ تب تو کرموں کے انوسار سُکھ دُکھ ہی بھوگے جاویں گے۔ اس کے لئے پرمیشور سمرن کی چنداں ضرورت نہیں اور جب یہی آخری فیصلہ ہو تو تمام

پرتین اور پرشارتھ بالکل فضول ہو گئے۔ فقط پراربدھ کرموں کی ہی پردھانتا ہوئی۔ علاوہ اس کے شاستروں کے اندر دُکھ نورتی کے لئے بیان ہوئیں تمام پرارتھنائیں اور اُپائے سب دیرتھ ہو گئے۔ ادھر اپنشدوں کے کئی ایک شانتی منتروں کے اندر بھی ہم دایو اگنی اور سورج آدی دیوتاؤں کو نکھش رکھ کر شاریرک سکھ اور منگل کامنا کے لئے پرارتھنا کیا جانا دیکھتے ہیں اُن کی بھی کیا دستھا ہوگی۔ ایک طرح تو وہ سب اُپدیش بے معنی اور بے سود ہی ہو گئے۔ پھر گوربانی کے اندر بھی جو ہمیں اُپاسنائیں ملتی ہیں وہ بھی سب نشپھل ہی سمجھی جاویں گی۔ دیکھیے شری پار پورن چت سے گورو ارجن دیوجی نے پرماتما کے پاس یہ ذیل کی پرارتھنا کی ہے اُس پر بھی ہمارے پاٹھک متوجہ ہوں۔

ہے پران ناتھ گووندیہ۔ کرپاندھان جگت گورو
ہے سنسار تاپ ہرنیہ۔ کرونا مے سب دُکھ ہرو
ہے سرن جوگ دیالیہ۔ دینا ناتھ میا کرو
شریر سوستھ کھین سمے سمرنت نانک رام داموودر مادھویہ

تو اِن جملہ پرارتھناؤں اور دُعاؤں کی کیا دستھا ہوگی یہ ایک سوال ہے۔ جس کا حل ہونا نہایت لازمی ہے۔ تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ ہمارے گرنتھوں کے اندر کرم پھل پرداتا ایشور اور بھگت وتسل کرپالو بھگوان الگ الگ دو تتو نہیں جانے جاتے۔ وہ ایشور جو کئے ہوئے کرموں کے انوسار جیووں کو سکھ دُکھ پھل دیتا ہے وہی اُن کی بھگتی اور پریم سے پربیت ہو کر اُن پر انوگرہ بھی کرتا ہے۔ بشرطیکہ وہ بھگتی سچی اور سچے اور عین ہردے سے ہی کی جاوے۔ اس لئے ایشور پرارتھنا یا آرادھنا ہمیشہ تہ دِل سے ہی ہونی چاہیئے۔ علاوہ اس کے ایسا شک بھی کبھی نہ ہو کہ یہ پوری ہوگی یا نہ۔ شک کرنے پر یقیناً وہ پرارتھنا کمزور ہو جاتی ہے۔ اور کئی حالتوں میں اُس کی سپھلتا بھی نہیں ہوتی۔ کرم انوسار پھل کا اُپھوگ ہونا یہ ایک جنرل قاعدہ ہے جیسے ہم اُوپر بیان کر آئے ہیں مگر پرارتھنا یا آرادھنا سے جو سِدھی ملتی ہے وہ ایک سپیشل قانون ہے جو بھگتوں کے لئے ہی خاص طور پر مقرر ہوا ہے۔ دیکھیے جس طرح عدالتوں کے اندر عام طور پر مقدمات کے جملہ فیصلے مثلوں کی بنا پر ہی ہوا کرتے ہیں تو بھی بعض اوقات صحیح واقعات کو نظرانداز کر کے رحم کی درخواستوں پر ملزم مطلقاً بری بھی کر دیئے جاتے ہیں ایسے سپریم کورٹس (supreme courts) یعنی افسران کے فیصلہ جات روزمرہ ہم دیکھا کرتے ہیں۔ اسی طرح جنرل قاعدہ کے مطابق تو ہر کسی کو اپنے کئے ہوئے کرموں کے مطابق ہی عمل ہوگا۔ تو بھی بعض بھگتوں پر جن پر ایشور کا خاص انوگرہ ہوتا ہے۔ وہ بالکل معافی پا جاتے ہیں۔ اور یہ مرتبہ فضل کا ہے جو عدل کی نسبت بہت اُونچا ہے۔ تو بھی جنرل قاعدہ جو عامیان کے لئے مقرر ہوا ہے۔ مطلق نہیں بگڑتا "Exception proves the rule" اس بنائے کو ہر کوئی جانتا ہی ہے۔

ہمارے پاٹھک گن، اغلب ہے اِس جواب کے اندر بھی کچھ شبہ پا دیں کیونکہ اُوپر بتلائی ہُوئی سُورداس کی کہانی سے تو کرم گتی کو ہی بربل مان کر پرارتھنا آدی کی اپیکھشا اُسے ہی پر دھانتا دی گئی ہے اِسی وجہ سے سُورداس کے پ پراربدھ بھوگ میں بھی مطلق افاقہ نہ ہُوا تھا۔ تو اِس کا سمادھان یہ ہے کہ اگر کہیں کسی کا پربل شاریرک بھوگ ایسا سنگھرہو جس سے بجُز بھوگ خلاصی نہ ہو تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ پرارتھنائیں کبھی نہ کی جائیں کیونکہ جیو کب جانتا ہے کہ یہ پراربدھ کرم کتنا کٹھور یا کومل ہے۔ ہو سکتا ہے پرارتھنا کرنے پر ہی اُس کی نورتی ایشور انوگرھ سے ہو جاوے۔ مگر یہ بات تب پرارتھنا ہی جانی جا سکے گی پہلے نہیں۔ بالفرض اگر شاریرک بھوگ کم نہ بھی ہو تو بھی آتر چت سے کیا ہوا آرادھن نشپھل نہ ہوگا۔ کیونکہ اس سے انتہ کرن پر کافی پربھاؤ پڑنے سے اُس کی بہت انش میں شُدھی تو ہو جاویگی جو موکھش پتھ میں کافی اُپیوگی ہے۔ اور یہ بھاگیوں کی بات ہے۔ اگر کسی کا قلب اِس طریق پر بھی صاف اور سُتھرا ہو جاوے۔

پس ایسا یقین رکھتے ہُوئے دل وجان سے ہاردک اور ٹھوس پرارتھنا ہی بھگوت چرنوں میں کرنی چاہیئے اور کسی حالت میں بھی کرم گتی کو ترجیح نہ دے کر کبھی بھی اس ایشور کرپا سے دگھت نہ رہنا چاہیئے۔ ایشور پرم اُدار پرم کرپالو دینا بندھو اور دیا کا سمندر ہے وہ اپنے بھگتوں کا مرد ارکھشک اور پالن ہار ہے۔ وہ بھگت وتسل ہے اور اوشیہ ہی اپنے بھگتوں پر کرپا کیا کرتا ہے۔ راقم نے بھی آخر کار اُسی کا آشریہ لیا تھا اور مکمل شفا پائی تھی۔ بلکہ اِس شفا سے ہی پریرت ہو کر مضمون ہذا بھی لکھا گیا ہے۔ راقم نے اپنی داستان ہی مثال کے طور پر ادم پیاروں کے سامنے رکھی ہے۔ اغلب ہے وہ کسی اور کے لئے بھی مفید ثابت ہو اور وہ بھی اسے اپنی مصیبت میں یاد کرے اور اسے اپنے سکھ کا سادھن بنا دے۔ چونکہ بھگوت نام ہی سرب روگ کی مہا اوشدھی ہے اس لئے اور تمام اُپاؤں کو چھوڑ کر فقط اُسی کی پناہ لینی چاہیئے۔ کیونکہ وہ ایشور ہی بھگت وتسل سنکٹ موچن بخشنہار اور پرم کرپالو ہے۔

" پریم پُکار کرینگا جب ہی۔ دُھر فریاد پونچیگی تب ہی
جب سُنسی ہوسی کرپال۔ دُکھ میٹے پربھ دین دیال

(ادم شرم) شری پرماتمنے نمہ

بھگتوں کی لاج رکھنے والا کرشن!

شری تارا چند باغی دہلوی ادیب فاضل

مچانے لگا رَن میں اودھم جو ارجن   لگی بھاگنے یک بیک فوج دشمن
پتامہ کی خدمت میں پہنچا دریودھن   دُکھی دِل دُکھی آتما اور دُکھی من
لگا کہنے یوں اُن کی خدمت میں رو کر
مٹے جا رہے ہیں ہمیں ڈھیر ہو کر
ہمارے بہادر ہیں بہادر ہیں یکتا   جہاں میں نہیں ہے کوئی ثانی ان کا
مگر ہر گھڑی پانسہ پڑتا ہے اُلٹا   لبا طِ حرب میں کوئی بھی نہ جیتا
سب ایک ایک کر کے مِٹے جا رہے ہیں
دیا آپ ارجن پہ فرما رہے ہیں
پتامہ لگے کہنے اے کورو نندن   نہ کر ڈری سُنا کر جلاؤ مرا من
مرے سامنے طفلِ مکتب ہے ارجن   سری کرشن بھی کانپ جائیں جو ہو رن
ابھی جا کے ارجن سے جنگ میں لڑوں گا
سری کرشن کا ناک میں دم کروں گا
پتامہ نے رتھ اپنا جب رَن میں ڈالا   جدھر جاتے تھے بس اُدھر تھا صفایا
اِک ارجن کو بھی تاک کر تیر مارا   گرا چوٹ کھا کر لیا کب سنبھالا
جیالوں کے منہ اس گھڑی مڑ گئے تھے
سری کرشن کے ہوش تک اُڑ گئے تھے
پتامہ کی جانب بڑھے نند نندن   لئے ہاتھ میں اپنے چکر سُدرشن
سری کرشن کے پیچھے پیچھے تھے ارجن   پتامہ مقدر کو کہتے تھے دھن دھن
سری کرشن نے ہے مری لاج رکھ لی
مری بات کی عہد کی لاج رکھ لی

رعائتی اعلان

مندرجہ ذیل کتب رعائتی قیمت پر حاصل کریں۔ یہ رعائت صرف 31 اگست ۱۹۶۱ء تک رہے گی۔
خرچ ڈاک بذمہ خریدار ہوگا

نام کتب	قیمت اصل	رعائتی
شریمد بھاگوت پوران	-/10/8	-/-/8
چیتنیہ بھگت مال	-/5	./4/12
یوگ وششٹ مہارامائن	-/3	-/2/12
روحوں کی دُنیا	-/3/8	-/3/4
مرتک روحوں سے وارتالاپ	-/10/-	-/8/-
تلسی رامائن	-/10/8	1-/8
بالمیکی رامائن	-/10/8	./8/8
جپ جی و سکھمنی (خواجہ دل محمد)	./3/8	-/3
گیتا خواجہ دل محمد	-/2/8	-/2
سکھمنی صاحب حکیم رملیداس حصہ اول	./-/1	./14/-
،، ،، حصہ دوئم	-/1/4	./1/2
کلام مُضطر رملیداس	-/8/-	6/
امرت سرود خورد	/1/12	-/1
شانتی کے گُر	6/4/-	6/3/-
اصلی جنم ساکھی گورو نانک دیو	-/10	-/8
سالنامہ "ادوم" نارائن انک	-/2	-/1
"ویدانت انک	-/2	-/1
،، شوانک ہندی	-/2	./1
مہابھارت حصہ اول	-/10/8	-/10
ہر بیمبر یہ ڈرامہ	-/8/-	6/

نام کتب	اصل قیمت	رعائتی
آستک ناستک سنواد	4ر	2ر
حب وطن قمر صاحب	-/1/4	12ر
انسان اور سائینس	-/1/8	-/1/4
ٹیگور ڈرامے	-/2/8	-/2/4
پنڈت جی } شرت چندر	-/2	/1/12
بڑی دیوی } شرت چندر	-/2	-/1/12
رام درشن	-/1	-/12/-
گیتا رتن منظوم	-/1	12/
رتن رامائن	-/2/8	-/1/4
بھگوت گیتا معہ مہاتم	/-/2	-/1/8
ہندو دھرم درپن	-/2	./1/8
رہبر موت	./2/8	-/1/8
ویدانت چھند اولی (بھوبابا) حصہ اول	8ر	6ر
،، ،، حصہ دوئم	8ر	6ر
شو پوران مجلد	/2/8	-
گرڑ پوران	-/2	/1/4
ایکادشی مہاتم	-	-/1
رشی کیش کا مہاتما	./1/8	-/1
تحفۂ درویش یعنی پھولوں کا ہار	./-/2	-/1/12
سوانح حیات سوامی رام	-/2	./1/4
بھرتری ویراگ شتک	-/1/8	./-/1

پرم آنند کی پراپتی	/12	/10

کتب منشی سورج نارائن مہر

روحانی کہانیاں	3/8/-	3/-
بچار ساگر	1/8/-	1/4/-
کلام مہر	1/-	/14
گیتا شرح	1/8/-	1/4/-
فلسفہ سانکھیہ	/8/-	/6
غزلیات مہر	/8	/6
مثنویات مہر	/8	/6
تلسی کرت رامائن	/8	/6
گلدستہ نظم حصہ اول	/8	/6
" " دوم	/8	/6

کتب لالہ کانشی رام چاولہ

انسان	1/8/-	1/4/-
لطف زندگی	2/-	1/12/-
امرت کنڈ	1/8/-	1/4/-
گیت چھک	1/-	/14
گیتا لہک	1/-	/14
گیتا مہک	1/-	/14
گیتا جھک	1/-	/14
نادانیاں	1/4/-	1/-
ذرا سا	/8	/6
آدرش گرہست	1/-	/14
جیون چرتر سوامی خزان چند جینی	2/-	1/12/-
پریت سبھے	/10	/8

کتب شوبرت لال ورمن

کبیر بھجناولی	2/4/-	2/-
روحانی اشارے	1/4/-	1/2/-
طوفانِ جنگ (رانا پرتاپ)	2/8/-	2/3/-
میراں بائی	/12	/10
سائنس سے سو خیال	1/8/-	1/5/-
سکا بیابی کی سہنی	/12	/10

شری کرشن اور اُن کی تعلیم	3/-	2/12/
شیواجی	1/8/-	1/5/-
بیراگی بیر ایم اے ہردیال	2/-	1/12/-
مذاہب اور انسانیت ہردیال	4/-	3/8/-
ناول منشی پریم چند	5/-	4/8/-
پردہ مجاز "	6/-	5/8/-
ردھی رانی "	1/8/-	1/5/-
خواب و خیال "	3/8/-	3/-
ڈرامہ زخمی پنجاب زیبا	2/-	1/12/-
شکنتلا "	1/8/-	1/5/-
لنگوٹی والا	1/12/-	1/8/-
کایا پلٹ	1/12/-	1/8/-
مرلی منوہر	1/12/-	1/8/-
دان ویر کرن	2/-	1/12/-
کبیر بھگت	1/12/-	1/8/-
پرہلاد بھگت	1/8/-	1/5/-
راج سنگھ (درشن)	2/8/-	2/4/-
سولہ سنگار "	5/-	4/8/-
سرون کمار	1/4/-	1/-
ستیہ وان ساوتری	1/8/-	1/5/-
دھرم ادھرم یدھ	1/8/-	1/5/-
گریجویٹ مزدور	1/8/-	1/5/-

دیگر کتب

ویدک جوتاسی	1/-	/12
اُپنشد انک	1/8/-	1/4/-
اُپاسنا ویدک	/8/-	/6
ایشور بودھ	/8	/6
ادھیاتم یوگ پرکسس	1/-	/12
دیا بائی اور سہجو بائی	/8	/6
ایشور پراپتی کا سادھن	1/4/-	/12
سام وید کا مہوپنشد	/8	/6
اتھروید کا نرسنگھ پورب تاپنی	/8	/6
کبیر شبد امرت	/8	/6
میراں بائی پریم بانی	/8	/6

ملنے کا پتہ: دفتر رسالہ "آدم" اندرون اجمیری گیٹ دہلی

Monthly 'OM' Delhi.

Vol. 28 AUGUST 1961 Regd. No. D. 84

Title Printed at Kanwal Art Press Ajmeri Gate, Delhi-6